جلد ۵

اصلاحی مجالس

بسلسلہ تہذیبِ اخلاق و تربیتِ باطن

- کثرتِ کلام اور اس کا علاج
- سود لینے سے بخل بڑھتا ہے
- اسراف سے بچنے کی ترکیب
- گھر سے فضول سامان نکال باہر کرو۔
- اپنے خرچ گھٹائیں
- استغفار کے لئے وقت مقرر کریں
- سابقہ گناہوں کو یاد رکھنے کی حقیقت
- گناہوں کی تکمیل کے لئے گناہ چھوڑنے کا عزم

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالعاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰی
کل من تبعھم بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَمَّابَعْد

اللہ کے فضل وکرم سے ''اصلاح مجالس جلد پنجم'' بھی تیار ہوکر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ الحمد للہ یہ جلد ''انفاس عیسیٰ'' کے باب دوم ''تحقیقات اور باب سوم تہذیبات'' سے متعلق مجالس کے بیانات پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ ناشر اور مرتب اور دیگر حضرات کو اس کام کو صدق واخلاص سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور تمام رکاوٹوں کو دور فرمائے۔ آمین۔

عبداللہ میمن

۱۰ر جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ

اجمالی فہرست مجالس

فہرست مضامین

عنوان | صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۶۶

تکبر کی مختلف صورتیں

مجلس نمبر ٦٧

کثرت کلام اور اس کا علاج

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۲۸

بخل اور اس کا علاج

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۶۹

ہر بخل مذموم نہیں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۷

سود لینے سے بخل بڑھتا ہے

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۱۷

اِسراف اور اس کا علاج

عنوان	صفحہ نمبر
''اسراف''اور''تبذیر''میں فرق	۱۳۴
مجاہدہ کیا ہے؟	۱۳۵
خرچ نہ کرنے میں نقصان نہ ہوتو چھوڑ دو	۱۳۵
خرچ سے پہلے کسی منتظم سے مشورہ	۱۳۶
یہ علاج ہر شخص کیلئے نہیں	۱۳۶
فائدہ اور عدم فائدہ کی تعیین شیخ سے کرائے	۱۳۷
رہبر اور رہنما کی ضرورت	۱۳۸
وہ حقیقی ضرورت نہیں	۱۳۸
بیوی بچوں کو خوش کرنے کیلئے خرچ کرنا	۱۴۰
استاذ کے اکرام میں ۵۲ قسم کے کھانے	۱۴۰
نیت کے فرق سے گناہ اور ثواب	۱۴۱

مجلس نمبر ۲۷

اسراف سے بچنے کی ترکیب

عنوان	صفحہ نمبر
اہل اللہ کی وضع اختیار کرو	۱۴۶
رسم اور فیشن کے مقیدمت بنو	۱۴۶
بزرگوں کے لباس کی نقل کرنا	۱۴۷

عنوان	صفحہ نمبر
اس کو سنت سمجھنا غلط ہے	۱۴۸
حافظ محمد احمد صاحبؒ کا واقعہ	۱۴۹
مجھے ملاقات کا شوق نہیں	۱۵۰
آپ نے ایسا جوتا کیوں اختیار کیا؟	۱۵۰
کیا اہتمام بدعت ہے؟	۱۵۹
محبوب کی شباہت	۱۵۱
التزام کرنا بدعت ہے	۱۵۲
غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے	۱۵۳
زیر تربیت افراد کا معاملہ الگ ہے	۱۵۳
کیا تم خدا ہو؟	۱۵۴
اہل اللہ کی نقل اتارو	۱۵۴
نیت کی خرابی سے وبال کا اندیشہ	۱۵۵
وضعداری اچھی چیز نہیں	۱۵۵
اکبر الہ آبادی کا ایک واقعہ	۱۵۶
من بھاتا کھاؤ، من بھاتا پہنو	۱۵۷
زمانے کی تقلید میں اسراف ہے	۱۵۷
دو باتیں اختیار کرلو	۱۵۸
قرض لینے سے پرہیز کرو	۱۵۸

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۳۷

گھر سے فضول سامان نکال باہر کرو

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۴۷

اپنے خرچ گھٹائیں

عنوان	صفحہ نمبر
ایک عبرت ناک واقعہ	١٩٧
آمدنی کے دائرے میں خرچ کرنا کفایت شعاری ہے	١٩٨

مجلس نمبر ٧٥

تکبر اور خجلت کا فرق

عنوان	صفحہ نمبر
عزت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے	۲۱۶
مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور تواضع	۲۱۷
حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور تواضع	۲۱۸
شان بنانے کی فکر مت کرو	۲۱۹
تکبر بہت سے گناہوں کی جڑ ہے	۲۲۰
ایک خوبصورت دعا	۲۲۰
تکبر کا بہترین علاج نعمتوں پر شکر	۲۲۱
شکریہ کا مستحق کون؟	۲۲۲
شکر میں عدم استحقاق کا اعتراف	۲۲۲
اداءِ شکر کی کثرت کرو	۲۲۳
خلاصہ	۲۲۴

مجلس نمبر ۷

گناہوں کا علاج: توبہ

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ۷۸

سابقہ گناہوں کو یاد رکھنے کی حقیقت

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
خلاصہ	۲۸۶
بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ	۲۸۶
حدیث کا مطلب	۲۸۸
صلوٰۃ التوبہ پڑھکر توبہ کرنے کی مصلحتیں	۲۸۸
نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں	۲۸۹
نماز کے بعد دل حاضر رہتا ہے	۲۸۹
شیطان گناہ کرانے سے گھبرائے گا	۲۹۰
فرمانبرداری کے ساتھ جینا	۲۹۰
زندگی کا لطف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے	۲۹۱
دعا	۲۹۱

مجلس نمبر ۹ ۷

گناہوں کا تریاق ۔ توبہ

عنوان	صفحہ نمبر
حسرت کے بجائے توبہ کرلو	۲۹۶
گناہ مایوسی پیدا نہ کرے	۲۹۷
شیطان مایوسی پیدا کرتا ہے	۲۹۷
توبہ کا بار بار ٹوٹ جانا	۲۹۸

مجلس نمبر ۸۰

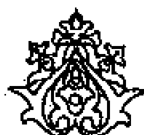
گناہوں کی تکمیل کیلئے گناہ چھوڑنے کا عزم

عنوان	صفحہ نمبر

مجلس نمبر ٦٦

تکبر کی مختلف صورتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۶۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تکبر کی مختلف صورتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

گناہگاروں کو حقیر مت سمجھو

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

اپنے تقویٰ وطہارت پر ناز کرکے گناہگاروں کو حقیر مت سمجھو اور ان کی خطائیں معاف کر دیا کرو، تکبر کرنے سے اندیشہ سلب نعمت کا ہوتا ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۶۰)

یہ مضمون پہلے بھی آچکا ہے کہ جب آدمی دین کے راستے پر قدم رکھتا ہے تو وہ شیطان جس نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں انسان کو سیدھے راستے سے بہکانے کے لئے اس کے آگے سے، اس کے پیچھے سے، اس کے دائیں طرف سے اور اس کے بائیں طرف سے آؤں گا، وہ شیطان دین کے راستے پر قدم رکھنے والے کا راستہ ''تکبر'' کے ذریعہ مارتا ہے، اس کے دل میں تکبر اور عجب پیدا کرتا ہے کہ تم نے تو یہ بڑا اچھا کام شروع کر دیا ہے، پھر اس تکبر کے نتیجے میں دوسرے لوگوں کی تحقیر اس کے دل میں پیدا کرتا ہے، چنانچہ اس شخص کو یہ خیال آتا ہے کہ میں تو دین کے راستے پر ہوں اور یہ سب لوگ فاسق وفاجر اور جہنمی ہیں، اس خیال کے نتیجے میں اس کے سارے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔

نووارد میں یہ بیماری زیادہ ہوتی ہے

دوسروں کو حقیر سمجھنے کی بیماری نوواردوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے، ''نووارد'' وہ ہے جس کو پہلے دین کی طرف کوئی دھیان نہیں تھا، اچانک اللہ تعالیٰ نے دین پر چلنے کی توفیق دیدی تو وہ اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور گناہگاروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا

ہے، اس کے نتیجے میں اس کے دل میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔

گناہ سے نفرت ہو

صحیح بات یہ ہے کہ نفرت گناہ سے کرو مگر گناہ کرنے والے کی ذات سے نفرت نہ کرو، کفر سے نفرت کرو مگر کافر کی ذات سے نفرت نہ کرو، فعل سے نفرت ہو، کفر سے نفرت ہو، فسق سے نفرت ہو۔ لہٰذا جب گناہ گار کی ذات سے نفرت نہ ہوگی تو پھر اگر کسی کو کسی گناہ کے اندر مبتلا دیکھو گے تو اس پر ترس آئے گا کہ یہ بیچارہ اس بیماری کے اندر مبتلا ہے۔

گناہ گار ترس کھانے کے لائق ہے

میرے خسر جناب بھائی شرافت صاحب، اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگوں کی صحبت نصیب فرمائی ہے، مجھے ان کی ایک عادت بہت پسند ہے کہ جب کسی کی غلط عادت کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس طرح کرتے ہیں کہ "وہ بیچارے نماز نہیں پڑھتے" لفظ "بیچارے" ضرور لگاتے ہیں، جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں بیچارہ بیمار ہے، اس طرح اس کا تذکرہ کرتے اور ہمیشہ ترحم اور ترس کھانے کا انداز اختیار کرتے۔ اس لئے کہ یہ گناہ بھی ایک بیماری ہے اور جس کو بیماری لاحق ہو، اس سے نفرت کیسی! اس پر غصہ کیوں کیا جائے، بلکہ اس پر ترس کھاؤ اور اس کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے نکال دے۔

تکبر سے سلب نعمت کا اندیشہ ہے

اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ دوسروں پر نفرت کی نگاہ ڈالنا اور دوسروں پر تحقیر کی نگاہ ڈالنا کسی طرح بھی جائز نہیں، کیونکہ جب آدمی دوسروں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو سلب نعمت کا اندیشہ ہوتا ہے، یہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دین پر چلنے کی توفیق دی ہے، یہ اس کی نعمت ہے یا نہیں؟

لو لا اللّٰہ ما اھتدینا ولا تصدّقنا ولا صلّینا

اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ دی ہوتی نہ ہمیں ہدایت ملتی اور نہ ہم صدقہ دے سکتے اور نہ ہم نماز پڑھ سکتے۔ جو اعمال صالحہ ہو رہے ہیں، انہی کی توفیق سے ہو رہے ہیں، اس پر شکر ادا کرو۔ کیسا ناز، کیسا تکبر، کیسا عجب، کیسی تحقیر، اگر دوسروں کی تحقیر کرو گے تو اندیشہ اس بات کا ہے کہ اعمال صالحہ کرنے کی جو توفیق تمہیں عطا فرمائی ہوئی ہے، وہ کہیں سلب نہ ہو جائے، اگر آدمی یہ عجب اور تکبر نہ چھوڑے تو بعض اوقات اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

اپنے بڑے سے عبارت آرائی خلاف ادب ہے

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

جس کو اپنے سے بڑا سمجھے اس کے ساتھ عبارت آرائی کرنا ادب کے خلاف ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۰)

مثلاً اگر آپ کسی بڑے کو خط لکھیں تو بے تکلف لکھیں، اب آپ سوچ سوچ کر مضمون بنا رہے ہیں، عبارت آرائی کر رہے ہیں اور اس میں اپنی فصاحت اور بلاغت دکھا رہے ہیں اور یہ کوشش کر رہے ہیں کہ عبارت بڑی خوبصورت ہو، ادبی ہو اور اس میں تشبیہات اور استعارے ہوں، اس طرح کی عبارت آرائی کرنا بڑوں کو خط لکھنے کے موقع پر ادب کے خلاف ہے۔

عبارت آرائی تکبر کا نتیجہ ہے

یہ چیز درحقیقت تکبر کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جب میرا خط بڑے کے پاس جائے تو وہ خط بڑا سجا بنا ہو، آراستہ پیراستہ ہو، تاکہ میرے بارے میں ان کا تأثر اچھا ہو کہ یہ آدمی بڑا پڑھا لکھا ہے، بڑا فصیح و بلیغ ہے اور بڑا ادیب ہے، حالانکہ جس کو خط لکھا ہے وہ بڑا ہے، تم جیسے کیسے بھی ہو، وہ تمہاری حقیقت کو جانتا ہے، اس لئے اس بناوٹ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ سیدھے سادھے بے تکلف طور پر جو الفاظ ذہن میں آئیں، وہ لکھتے چلے جاؤ۔

ہر کام میں بے تکلفی ہو

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ بے تکلف کام کرو، عمل میں بھی بے تکلف رہو، بات کرنے میں بھی بے تکلف رہو، لکھنے میں بھی بے تکلف رہو۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مجلس میں جس طرح چاہو، آرام سے بیٹھو، بے تکلف ہو کر بیٹھو، کسی خاص نشست کا اہتمام نہ کرو۔ اسی طرح بے

تکلفی سے خط لکھو، البتہ اتنا ضرور ہے کہ بدتمیزی اور بے ادبی کی بات نہ کرو۔ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ بڑوں کے ساتھ عبارت آرائی مناسب نہیں ہے۔

سلام میں پہل کرنے سے عار آنا تکبر ہے

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

مجھے علماء سے شکایت ہے کہ ہم لوگ اپنے کو بہت بڑا سمجھتے ہیں کہ عوام کو پہلے سلام کرنے سے ہم کو عار آتی ہے بلکہ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ پہلے دوسرے ہم کو سلام کریں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۲۰)

یہ بھی تکبر کا ایک شاخسانہ ہوتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ دوسرا ہمیں سلام کرے، ہم سلام نہ کریں۔ یہ بات خاص طور پر علماء کے اندر پائی جاتی ہے، ان کے دماغ میں یہ آجاتا ہے کہ چونکہ ہم عالم ہیں، لہٰذا ہم مقتدا ہیں اور مقتدا ہونے کی وجہ سے ساری مخلوق کا فریضہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ تعظیم اور تکریم کا معاملہ کرے۔

علم پر شکر کرو نہ کہ تکبر

ہمارے حضرت والا بڑی اچھی بات فرمایا کرتے تھے، وہ بات یاد رکھنے کی ہے، فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم دیا ہے تو یہ اس کی نعمت ہے، اب تم اس نعمت کو صحیح مصرف میں استعمال کرو، اس نعمت کو اپنی بڑائی کا ذریعہ کیوں بناتے ہو؟ حقیقت میں تم بھی ایسی مخلوق ہو جیسے ساری مخلوق

ہیں، تم میں اور ان میں کیا فرق ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے مقابلے میں ایک نعمت زیادہ عطا فرما دی، لہٰذا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کو صحیح مصرف میں یعنی خدمت خلق میں استعمال کرو، اس کے نتیجے میں تمہارے علم کا نور اور اس کا فیض پھیلے گا، اس کی خوشبو دنیا میں پھیلے گی اور اس کا فائدہ ہوگا، یہ مناسب نہیں کہ اس علم کو اپنی بڑائی کا ذریعہ بنا کر بیٹھ جاؤ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ایک لمحہ میں یہ علم سلب کرلیں، لہٰذا کس بات پر ناز کرتے ہو؟ اس لئے اس علم پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کو صحیح مصرف یعنی خدمت خلق میں استعمال کرو اور خادم بن جاؤ۔

دوسرے مناصب غیر اختیاری ہیں

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بڑی قیمتی بات فرمایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اگر اس پر عمل ہو جائے تو سارے تکبر اور غرور کی جڑ کٹ جائے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! میں تمہیں ایک منصب بتاتا ہوں، یہ ایسا منصب ہے کہ کوئی شخص تم سے یہ منصب چھینے گا نہیں، اور اس منصب کے حاصل ہونے کے نتیجے میں تمہارے ساتھ کوئی شخص حسد نہیں کرے گا، جبکہ دنیا کے دوسرے مناصب کا حال یہ ہے کہ نہ تو ان کا حاصل کرنا اپنے اختیار میں ہے، مثلاً تم چاہو کہ صدر مملکت بن جاؤ، کیا یہ تمہارے اختیار میں ہے؟ اور پھر فرض کرو کہ اگر تم صدر مملکت بن بھی گئے تو کتنے حسد کرنے والے تم پر حسد کریں گے اور ہر وقت اس بات کا خطرہ بھی

رہے گا کہ معلوم نہیں کب یہ منصب چھن جائے۔

''خادمیت'' کا منصب اختیار کرلو

آج کل کی سیاست میں ہے کہ اگر کوئی وزیر اعظم بن گیا تو اب اس کو ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ میرے نیچے سے کہیں یہ کرسی نہ کھسک جائے، اب اس کے دن رات اسی پریشانی میں بسر ہوتے ہیں اور اپنی کرسی بچانے کی فکر سوار رہتی ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں تم کو ایک ایسا منصب بتاتا ہوں جس کو حاصل کرنا اپنے اختیار میں ہے، اور اگر حاصل کرلیا تو اس منصب پر تم سے کوئی حسد نہیں کرے گا اور کوئی تم سے وہ منصب نہیں چھینے گا، وہ ''خادم'' کا منصب ہے کہ ہر ایک کے خادم بن جاؤ اور خادمیت اختیار کرلو اور یہ سمجھو کہ میں تو خادم ہوں، عوام کا خادم، مخلوق خدا کا خادم، اپنی بیوی بچوں کا خادم، گھر والوں کا خادم، البتہ خدمت کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔

استاد، باپ اور عالم سب خادم ہیں

جو استاد بچوں کو پڑھاتا ہے، وہ بھی خدمت کرتا ہے، البتہ اس خدمت کا انداز مختلف ہوتا ہے، لہذا استاد بھی خادم ہے۔ اسی طرح باپ اپنے بیٹے کی تربیت کرتا ہے وہ بھی خدمت ہے، یہاں تک کہ اگر باپ بیٹے کو مار رہا ہے تو وہ بھی خدمت ہی ہے، اگر ڈانٹ رہا ہے تو وہ بھی خدمت ہی ہے، اس لئے کہ ڈانٹنے اور مارنے سے اس کا مقصد اس کے اندر اچھے اوصاف پیدا کرنا ہے۔

لہٰذا باپ بھی خادم ہے۔

اسی طرح اگر تم عالم ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ علم خدمت خلق کے لئے دیا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ، بس اس علم کا مصرف یہ ہے، نہ یہ کہ اس علم کی بنیاد پر اترانے بیٹھ جاؤ یا اس کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو جاؤ۔ پس عالم بھی خادم ہے

تکبر کی حد

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

> تکبر یہ ہے کہ اپنی صفات حمیدہ کو اپنا کمال سمجھے، عطاء و فضل حق پر نظر نہ کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے، باقی اپنی صفات کی نفی کرنا تواضع نہیں ہے، مثلاً حافظ کو اپنے حفظ کا اعتقاد جائز ہے، ہاں اس کو عطیہ الٰہی سمجھنا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۲)

یہ مضمون پہلے بھی آچکا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے کوئی قابل تعریف صفت عطا فرمائی ہے تو اپنے اندر اس کے موجود ہونے کا اعتقاد کرنا بذات خود یہ تکبر نہیں ہے بشرطیکہ اس کو حق تعالیٰ کی عطاء سمجھے، اپنے ذاتی کمال کا اعتقاد نہ رکھے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اپنے کو ''اکمل'' سمجھنا تکبر نہیں، ''افضل'' سمجھنا تکبر ہے، مثلاً ایک شخص اپنے بارے میں یہ سوچے کہ مجھے عربی زبان آتی ہے دوسرے کو نہیں آتی، اب آدمی اس کا کیسے

اقرار کرے کہ مجھے عربی نہیں آتی۔ یا ایک شخص نے درس نظامی پڑھا ہے اور دوسرے نے نہیں پڑھا، اب آدمی کیسے یہ کہہ دے کہ میں نے درس نظامی نہیں پڑھا، کیونکہ یہ تو واقعہ کے خلاف ہوگا، اس لئے محض اتنی بات سے تکبر نہیں ہوتا، البتہ تکبر اس وقت ہوگا جب وہ اس صفت کو یا تو اپنا ذاتی کمال سمجھے کہ مجھے جو کچھ حاصل ہوا، وہ اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے ہوا، جیسے قارون نے دعویٰ کیا تھا کہ:

اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ۔

(سورۃ القصص: آیت ۷۸)

یا وہ شخص اس صفت کو حق تعالیٰ کا عطیہ تو سمجھتا ہے لیکن اس وصف کی بنیاد پر دوسروں کی تحقیر کرتا ہے تو یہ تکبر ہے، لیکن اگر یہ دو باتیں موجود نہیں، یعنی نہ تو اس وصف کو اپنا کمال سمجھتا ہے بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے، جب چاہیں سلب فرمالیں اور نہ ہی اس وصف کی وجہ سے دوسروں کی تحقیر کرتا ہے تو انشاء اللہ وہ شخص تکبر سے محفوظ رہے گا۔

تکبر سے حفاظت کا طریقہ شکر کرنا

اس تکبر سے حفاظت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جب کبھی اپنی کسی اچھی صفت پر نگاہ جائے تو اس پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ صفت عطا فرمائی ہے، میں اس کا مستحق نہیں تھا۔ شکر کے اندر خود اس بات کا اعتراف داخل ہے کہ اے اللہ! میں اس کا مستحق نہیں

تھا، آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ صفت عطاء فرما دی۔ جس وقت آدمی یہ تصور کرے گا تو انشاء اللہ تکبر کی جڑ کٹ جائے گی۔ اسی بات کو حضرت والا فرماتے ہیں کہ "تکبر یہ ہے کہ اپنی صفات حمیدہ کو اپنا کمال سمجھے، عطاء و فضل حق پر نظر نہ کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے، البتہ اپنی صفات کی نفی کرنا تواضع نہیں"

اپنے کو "ناکارہ اور ناچیز" کہنا تواضع نہیں

چنانچہ بعض لوگ تواضع کرتے ہوئے اپنے آپ کو "ناکارہ، ناچیز" کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو ناکارہ ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ سب جھوٹ ہوتا ہے، جھوٹ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کا ناکارہ کہنے کے جواب میں کہدیا جائے کہ بیشک آپ واقعی ناکارہ ہیں تو اس وقت اس کے دل پر کیا گزرے گی، دل میں اس کا یہ جواب ناگوار ہوگا۔ یہ ناگوار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو ناکارہ کہہ رہا تھا، یہ دل سے نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اپنے آپ کو اس لئے ناکارہ کہہ رہا تھا تا کہ لوگ مجھے متواضع سمجھیں اور لوگ جواب میں مجھے یہ کہیں کہ نہیں حضرت! آپ تو بڑے عالم و فاضل ہیں، آپ کے درجات تو بہت بلند ہیں، دیکھئے! اس میں کتنے امراض جمع ہو گئے۔ لہٰذا یہ الفاظ کہنا کہ میں ناکارہ ہوں، یہ تواضع نہیں ہے بلکہ تواضع کا دکھاوا ہے کہ میں بہت متواضع ہوں، اس لئے اپنے کو "ناچیز" اور "ناکارہ" کہتا ہوں۔

چنانچہ ہم لوگ اپنے آپ کو "حقیر" "پر تقصیر" "ناکارہ" "آوارہ" کے جو الفاظ لکھتے ہیں، یہ اکثر و بیشتر ان امراض کا مجموعہ ہوتا ہے، اِلّا یہ کہ کوئی شخص

''صدقِ دل'' سے یہ الفاظ استعمال کرے، اور ''صدقِ دل'' کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص ان الفاظ کے جواب میں یہ تصدیق کر دے کہ بیشک آپ ایسے ہی ہیں تو اس وقت دل پر ذرہ برابر بال نہ آئے اور طبیعت پر ناگواری نہ ہو، اگر ایسا ہو تو پھر ان الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

اپنے کو کمتر سمجھنا تواضع ہے

اصل بات یہ ہے کہ ان الفاظ کے استعمال سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ اپنے آپ کو کمتر کہنا ''تواضع'' نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو کمتر سمجھنا ''تواضع'' ہے۔ جو شخص حقیقی متواضع ہوگا وہ تکلفاً یہ الفاظ استعمال نہیں کرے گا اور ایسا شخص چاہے زبان سے اپنے آپ کو ''ناکارہ'' اور ''آوارہ'' کچھ بھی نہ کہے، لیکن دل میں ہر وقت اس کو اپنے عیوب پر نظر ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ساری مخلوق سے کمتر سمجھتا ہے۔

بزرگوں کی تواضع کا قصہ

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے خود یہ واقعہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک مرتبہ میں تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مقیم تھا، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی خانقاہ میں مقیم

تھے، ایک دن حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میری تو عجیب حالت ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ حالت حمیدہ ہے یا رذیلہ ہے، بتاتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے، لیکن چونکہ آپ سے دوستی ہے، لہذا دوستی کی مد میں صرف آپ کے سامنے یہ حالت بیان کرتا ہوں، وہ حالت یہ ہے کہ جب میں حکیم الأمت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جاکر بیٹھتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس مجلس میں جتنے افراد بیٹھے ہیں، یہ سب مجھ سے افضل ہیں اور یہ سب انسان ہیں اور میں ایک بیل ہوں جو انسانوں کے اندر آکر بیٹھ گیا ہوں۔ مجھے یہ پریشانی ہے کہ میری یہ حالت معلوم نہیں اچھی ہے یا بُری ہے۔

میں نے جب ان سے یہ حالت سنی تو میں نے جواب میں کہا کہ حضرت! میری بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ جب میں حضرت والا کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہی سب سے کمتر ہوں اور یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔ لہذا ہم دونوں نے سوچا کہ ہم دونوں جاکر حضرت والا سے اپنی یہ حالت بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور جاکر عرض کیا کہ ہم دونوں کی تو یہ حالت ہے، معلوم نہیں کہ یہ حالت صحیح ہے یا غلط ہے، مناسب ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حالت سن کر فرمایا کہ ارے بھائی! تم کچھ پرواہ نہ کرو، میں بھی جب مجلس میں بیٹھتا ہوں تو مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ سب لوگ مجھ سے افضل ہیں اور میں ان سب سے کمتر ہوں۔

اپنے عیوب پر نگاہ کرو

بہر حال! اپنے آپ کو "کمتر" کہنا تواضع نہیں بلکہ "کمتر" سمجھنا تواضع ہے، اور جب انسان کی نگاہ اپنے عیوب پر ہوتی ہے تو اس کی نگاہ میں ساری دنیا افضل ہو جاتی ہے، کیونکہ دوسرے لوگوں کے عیوب باطنہ کی اطلاع ہے نہیں اور اپنے عیوب باطنہ کا علم ہے اور ان کا استحضار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو یہ وصف عطاء فرما دے۔ آمین۔

صفات کی نفی کرنا تواضع نہیں

اس لئے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں فرمایا کہ "اپنی صفات کی نفی کرنا تواضع نہیں" مثلاً کوئی شخص آپ سے پوچھے کہ آپ حافظ ہیں؟ آپ تواضعاً کہیں کہ میں تو حافظ نہیں ہوں، یہ تواضع نہ ہوئی بلکہ یہ تو جھوٹ ہو گیا۔ البتہ اس صفت کے بارے میں یہ سمجھے کہ یہ جو کچھ ہے، اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے، میرے ذاتی استحقاق کے بغیر مجھے حاصل ہو گئی ہے، یہ میرا ذاتی کمال نہیں اور اس صفت کی وجہ سے میری افضلیت لازم نہیں آتی، ہو سکتا ہے کہ دوسرے مجھ سے افضل ہوں۔

صرف تحصیل علم سے تکبر نہیں نکل سکتا

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

یہ تکبر بڑا ہی خنّاس ہے، جب تک یہ ہمارے اندر ہے، اس وقت تک حقوقِ علم ادا نہیں ہو سکتے، اور یہ صرف علم حاصل کرنے سے نہیں نکل سکتا، جیسے کسی کو خارش کا نسخہ یاد ہو تو محض نسخہ یاد ہونے سے خارش دفع نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس نسخے کے اجزاء جمع کرو، پھر اس کا استعمال شروع کرو، مضرات سے پرہیز کرو، اور جب تک طبیب مشورہ دے اس وقت تک نسخہ کا استعمال کرو اور پرہیز جاری رکھو، جب تک طبیب نبض دیکھ کر نہ کہہ دے کہ اب خارش کا مادہ زائل ہو گیا، اس وقت تک تدبیر کو نہ چھوڑو۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس مرض سے حفاظت فرمائے اور اس سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

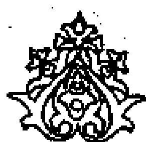




مجلس نمبر ۶۷

کثرت کلام اور اس کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر، ۵
مجلس نمبر : ۶۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

کثرت کلام اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

چار مجاہدات

حضرات صوفیاء کرام اور بزرگان دین کے پاس جب کوئی شخص اپنی

اصلاح کرانے جاتا تھا تو حضرات صوفیاء کرام اس شخص سے چار قسم کے مجاہدات، ریاضتیں اور مشقیں کرایا کرتے تھے۔ نمبر ایک "تقلیل طعام" یعنی کھانا کم کھانا۔ نمبر دو "تقلیل کلام" یعنی بات چیت کم کرنا۔ نمبر تین "تقلیل منام" یعنی کم سونا۔ نمبر چار "تقلیل الاختلاط مع الانام" یعنی لوگوں سے کم ملنا جلنا۔ یہ چار قسم کے مجاہدات کرانے کے نتیجے میں اس شخص کی طبیعت اعتدال پر آجاتی تھی اور اعتدال پر آجانے کے بعد یہ عادتیں قابو میں آجاتی تھیں۔ چنانچہ پھر وہ شخص کھانا حد سے زیادہ نہیں کھاتا تھا اور حد سے زیادہ بولتا نہیں تھا اور حد سے زیادہ سوتا نہیں تھا اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی حد سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔

حلال چیزوں کا ترک کیوں کرایا جاتا ہے؟

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مجاہدات کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ ہماری نفسانی خواہشات اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں اور گناہوں کی طرف مائل ہیں، لہٰذا ان خواہشات کو اعتدال پر لانے کے لئے اور سیدھا کرنے کے لئے بعض اوقات کچھ جائز چیزوں کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک چیز جائز اور حلال قرار دی ہے تو پھر صوفیاء کرام ان جائز اور حلال چیزوں کو کیوں چھڑواتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال کیا ہے تو کون ان کو حرام کرسکتا ہے؟ جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ دراصل یہ

علاج ہے، جب تم ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جاتے ہو تو وہ ڈاکٹر تم سے کہتا ہے کہ تمہیں شوگر کی بیماری ہے، مٹھائی مت کھانا۔ اب دیکھئے کہ مٹھائی حلال ہے لیکن ڈاکٹر نے اس کو کھانے سے روک دیا، کیوں روک دیا؟ تمہاری بیماری کی وجہ سے روک دیا، کیونکہ اگر تم مٹھائی کھاؤ گے تو تمہاری شوگر بڑھ جائے گی اور اس کے نتیجے میں تمہاری بیماری میں اضافہ ہوگا۔ لہٰذا ڈاکٹر یا حکیم مٹھائی کھانے سے جو منع کر رہا ہے وہ حلال کو حرام نہیں کر رہا ہے بلکہ تمہاری ضرورت کی وجہ سے اس کے کھانے سے منع کر رہا ہے۔

طبیعت کو اعتدال پر لانا مقصود ہے

اسی طرح جب کوئی شیخ اپنے کسی مرید سے یہ کہتا ہے کہ باتیں کم کرو، کھانا کم کھاؤ، کم سو، لوگوں سے ملنا جلنا کم کرو، تو اس کا مقصد کسی حلال کو حرام کرنا نہیں ہے بلکہ تمہارا علاج کرنا ہے اور تمہیں پرہیز کرانا ہے، تاکہ اس پرہیز کے نتیجے میں تمہاری طبیعت اعتدال پر آجائے۔ لہٰذا صوفیاء کرام جو مجاہدات کراتے ہیں، ان پر اس قسم کے اعتراضات نہیں کرنے چاہئیں۔

ایک خوبصورت مثال

پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا کہ اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے یہ کاغذ ہے، اس کاغذ کو پہلے ایک طرف موڑ دو، اب اس کو سیدھا کرو، تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن یہ سیدھا

نہیں ہوتا، اس کو سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کاغذ کو مخالف سمت میں موڑ دو، جب مخالف سمت میں موڑ دو گے تو یہ سیدھا ہو جائے گا۔

ہمارا نفس گناہوں کی طرف مڑا ہوا ہے

اسی طرح ہمارا نفس بھی گناہوں کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی طرف مڑا ہوا ہے جس کے نتیجے میں گناہوں کے خیالات آتے ہیں، گناہوں کی خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں اور گناہوں کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس نفس کا علاج یہ ہے کہ اس کو مخالف سمت میں موڑا جائے اور اس سے کچھ جائز کام بھی چھڑوائے جائیں، جب اس نفس سے جائز کام چھڑاؤ گے تو یہ اعتدال پر آجائے گا۔ لہٰذا جب کوئی شخص حضرات صوفیاء کرام کے پاس جاتا تھا تو وہ اس سے یہ فرماتے تھے کہ تم کھانا کم کھایا کرو، باتیں کم کیا کرو، لوگوں سے کم ملا کرو، کم سویا کرو، یہ چار مجاہدات کرو۔

کم کھانے اور کم سونے کی ضرورت نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو اس طریق کے مجدد اور مجتہد ہیں، انہوں نے آجکل کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ کم کھانے کی فکر میں مت پڑو بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو وسعت دی ہے اس کے اعتبار سے کھاؤ، لہٰذا میں تمہیں ''کم کھانے'' کا مجاہدہ نہیں کراتا۔ اسی طرح ''کم سونے'' کا مجاہدہ بھی نہیں کراتا، اس لئے کہ آج کل کے جسمانی قویٰ ایسے ہیں کہ اگر کھانا

کم کھاؤ گے اور کم سوؤ گے تو بیمار پڑ جاؤ گے اور جب بیمار پڑ جاؤ گے تو جو تھوڑی بہت عبادت پہلے کر سکتے تھے وہ بھی نہیں کر سکو گے۔ اس لئے میں نہ تو تقلیل طعام کراتا ہوں اور نہ ہی تقلیل منام کراتا ہوں۔

کم کھانے کی حد

البتہ ''تقلیل طعام'' اور ''تقلیل منام'' کا ایک نسخہ بتاتا ہوں، تم اس پر عمل کرلو، تقلیل طعام کا نسخہ یہ ہے کہ کھانا کھانے کے دوران ہر انسان کو یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ مزید کھاؤں یا نہ کھاؤں، جس وقت یہ تردد پیدا ہو اس وقت کھانا چھوڑ دو، اس سے آگے نہ بڑھو، اگر اس پر عمل کرلیا تو انشاء اللہ تعالیٰ تقلیل طعام کی برکات حاصل ہو جائیں گی اور ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق کبھی بیمار نہ ہو گے۔

کم سونے کی حد

اسی طرح کم سونے کے بارے میں آج کے لوگ اگر اس طرح کا مجاہدہ شروع کر دیں جس طرح کا مجاہدہ پہلے کے لوگ کیا کرتے تھے کہ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک گھنٹے کے لئے سو گئے، اس طرح مجاہدہ کے نتیجے میں آدمی بیمار اور پاگل ہو جائے گا اور دماغ خراب ہو جائے گا، جو تھوڑا بہت پہلے کر لیتا تھا وہ بھی چھوڑ بیٹھے گا۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل کے دور میں اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ کرو کہ اپنی صحت کے اعتبار سے سونے کے لئے گھنٹے مقرر کرلو کہ مجھے چوبیس گھنٹے میں اتنے گھنٹے سونا چاہئے،

مثلاً چھ گھنٹے یا سات گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے، سونے کے گھنٹے مقرر کرنے کے بعد پھر اس سے زیادہ سونے سے پرہیز کرو۔ بس یہی ''تقلیل منام'' ہے، ان دو مجاہدات کے بارے میں تو حضرت نے یہ تفصیل بیان فرمادی ہے۔

اس طریق کا پہلا قدم ''زبان پر قابو پانا ہے''

دو مجاہدات اور ہیں۔ ایک ہے ''تقلیل کلام'' یعنی کم بولنا، اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے، جب تک انسان اس پر قابو نہیں پائے گا، اس وقت تک وہ اس طریق میں نہیں چل سکے گا، جب تک یہ زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے اور اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کوئی پابندی نہیں ہے، کوئی کنٹرول نہیں ہے، اس وقت تک اس طریق پر نہیں چل سکتا، اس طریق کا پہلا قدم یہ ہے کہ زبان کو قابو میں کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گوشت کا یہ لوتھڑا عطا فرمایا ہے، یہ اتنی عظیم نعمت ہے کہ پیدائش کے وقت سے جسم میں لگی ہوئی ہے اور مرتے دم تک یہ مشین کام کر رہی ہے، اس مشین کو نہ تیل دینا پڑتا ہے، نہ اس کی سروس کرنی پڑتی ہے، نہ اس کی اوور ہالنگ کرانی پڑتی ہے، نہ اس کے پارٹس تبدیل کرنے پڑتے ہیں، اور جس دن سے یہ مشین لگی ہوئی ہے مسلسل اپنا کام کر رہی ہے، اور مشین بالکل مفت میں ملی ہوئی ہے، اس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔

زبان کی حرکات وسکنات

یہ ایسی مشین ہے کہ جب دماغ میں یہ خیال آتا ہے کہ مجھے یہ بات اس طرح کہنی ہے، تو اسی لمحے یہ مشین اپنی حرکت اس طرح شروع کر دیتی ہے کہ وہ بات واضح طور پر لوگ سن لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دماغ اور اس زبان میں ایک عجیب کنکشن لگا دیا ہے کہ میرے دماغ میں جو مضمون آیا، وہ مضمون لفظوں کے سانچے میں ڈھل کر زبان کے ذریعے ادا ہو کر دوسرے آدمی کے دماغ میں پہنچ جاتا ہے، کیا زبان کی مختلف حرکتوں کا طریقہ تم نے خود ایجاد کیا تھا کہ اس زبان کو اس طرح موڑوں گا تو یہ حرف ادا ہوگا اور اس طرح موڑوں گا تو یہ حرف ادا ہوگا؟ کیا تم نے خود یہ لغت وضع کی تھی جس کے ذریعہ اظہار خیال کرتے ہو؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی حکمت بالغہ سے ذہن کو پہلے سکھایا اور پھر زبان کو اس طرح ذہن کے تابع کر دیا کہ اِدھر دماغ میں ایک بات آئی اور اُدھر زبان سے نکل گئی۔

دماغ اور زبان کے درمیان کنکشن

اگر دونوں کے درمیان وقفہ ہوتا کہ دماغ میں تو ایک بات آ گئی، لیکن اس کو زبان پر لانے کے لئے پہلے بٹن دبانا پڑتا تو درمیان کا یہ وقفہ عذاب بن جاتا اور مشکل پیش آجاتی اور دنیا کا کوئی کام نہ ہو پاتا، لیکن اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے دونوں کے درمیان ایسا کنکشن قائم کر دیا

کہ اِدھر دماغ میں بات آئی اور اُدھر زبان سے نکل گئی، اس کے لئے نہ کوئی سوچ آن کرنا پڑتا ہے اور نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ویسٹ انڈیز کا ایک جزیرہ جس کا نام ''بار بڈوز'' ہے۔ ایک مرتبہ وہاں جانا ہوا، وہاں بڑی عبرت کا معاملہ تھا، ایک صاحب کو دیکھا کہ ان کی زبان تھی اور زبان حرکت بھی کرتی تھی لیکن ان کے حلق میں ایسی خرابی پیدا ہوگئی تھی کہ زبان کی حرکت کے باوجود آواز نہیں نکلتی تھی، چنانچہ ان کے لئے ایک آلہ تجویز کیا گیا، ہر وقت وہ آلہ ان کے ہاتھ میں رہتا تھا، جب کوئی بات ان کو کرنی ہوتی تو پہلے وہ آلہ اپنے گلے میں سوراخ پر زور سے لگاتے، اس کے دبانے سے آواز نکلتی تھی، جو آواز نکلتی تھی وہ بھی کسی انسان کی آواز معلوم نہیں ہوتی تھی بلکہ کسی جانور کی آواز معلوم ہوتی تھی جس کو سن کر بچے بے ساختہ ہنستے تھے، البتہ اس کے ذریعہ وہ اپنی بات کم از کم دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔

لیکن میں ان کی بیتابی کا عالم دیکھتا تھا کہ جب ان کے دماغ میں کوئی بات آتی تو فوراً نہیں کہہ سکتے تھے بلکہ وہ آلہ نکال کر لگاتے پھر آواز نکلتی، لہٰذا دماغ میں بات آنے اور زبان سے ادا کرنے کے درمیان جو وقفہ ہوتا تھا وہ وقفہ بہت بے چینی کے ساتھ گزرتا تھا۔

ہم بے شمار نعمتوں کے مالک ہیں

ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اس لئے نہیں ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے یہ نعمتیں مفت میں بے مانگے بغیر کسی محنت اور مشقت کے عطا فرما رکھی ہیں، زبان بھی دے رکھی ہے، قوت گویائی بھی دے رکھی ہے، حلق کے اندر آواز بھی دے رکھی ہے، دماغ کے ساتھ اس زبان کا کنکشن بھی جوڑ رکھا ہے، جب اور جو کلمہ زبان سے ادا کرنا چاہتے ہیں، فوراً ادا کر لیتے ہیں، اس لئے اس زبان کی قدر نہیں، اللہ بچائے، اگر ان میں سے کوئی ایک چیز ناکارہ ہو جائے یا ان میں سے ایک چیز کے عمل میں خلل واقع ہو جائے تب پتہ چلے کہ یہ کیسی عظیم نعمت تھی جو ہم سے چھن گئی ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک ایک ایک ذرہ اپنے اندر نعمتوں کی ایک کائنات رکھتا ہے، ان میں ایک زبان بھی ہے۔

اس نعمت کو گناہ میں استعمال مت کرنا

قرآن کریم میں بار بار یہ حکم آتا ہے کہ غور و فکر کیا کرو، تو اس سے مراد یہی باتیں ہیں جو غور و فکر کرنے کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ نعمتیں دے رکھی ہیں۔ یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے سرکاری مشین عطا فرما رکھی ہے جس کو ہم مسلسل استعمال کر رہے ہیں، کبھی یہ سوچنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نعمت دے رکھی ہے، اس کو ذرا سوچا کرو، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے ہماری کسی محنت کے بغیر، کسی مشقت کے بغیر، کسی طلب کے بغیر، پیسہ خرچ کئے بغیر محض اپنے فضل سے عطا فرمائی تو اس کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیدیا کہ ہم تمہیں یہ مشین دے تو رہے ہیں لیکن اس مشین کو دیکھ بھال کر استعمال کرنا اور اس مشین کو گناہ میں استعمال مت کرنا۔

”زبان“ آخرت کے خزانے جمع کرنے کا ذریعہ

اگر اس مشین کو صحیح استعمال کرو گے تو یہ مشین تمہارے لئے آخرت کا خزانہ جمع کرنے کا ذریعہ بن جائے گی، اگر اس زبان سے ایک مرتبہ ”سبحان اللہ“ کہہ دو گے تو یہ کلمہ تمہارے میزان عمل کا پلڑا ابھر دے گا، اگر اس زبان سے ایک مرتبہ ”الحمدللہ“ کہہ دو گے تو میزان عمل کا پلڑا ابھر جائے گا، یعنی اگر اللہ جل شانہ کے کسی بھی ذکر میں اس زبان کو مشغول کرو گے تو ہم تمہارے لئے میزان عمل کا پلڑا ابھر دیں گے اور تمہارے لئے آخرت میں نیکیوں کے خزانے جمع کر دیں گے۔ اگر اس زبان سے تم ہمارے کلام کی تلاوت کرو گے تو ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھدیں گے، اگر صرف ”الم“ پڑھو گے تو تمہارے نامہ اعمال میں تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

ذرا ان کی رحمت تو دیکھئے کہ یہ مشین ان کی دی ہوئی، اس مشین میں طاقت انہی کی دی ہوئی اور یہ کلمات بھی انہی کے سکھائے ہوئے اور انہی کی توفیق سے یہ کلمات زبان سے نکل رہے ہیں، یہ کلام بھی انہی کا ہے، اس کو نازل کرنا ایک مستقل عظیم الشان نعمت ہے، پھر بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ ان کلمات پر تمہیں انعام دیں گے، جب اس کلام کو تم ہماری دی ہوئی مشین سے پڑھو گے تو اتنی نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔ ان کی رحمتوں کا کچھ ٹھکانہ ہے؟

''زبان'' جہنم سے نکالنے والی ہے

لہٰذا اگر اس زبان کو تم صحیح استعمال کرو گے تو یہ زبان تمہارے لئے جنت کے محل تعمیر کرسکتی ہے، اس لئے اس زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھو کیونکہ یہ زبان تمہاری آخرت کی زندگی استوار کر رہی ہے اور تمہیں جہنم سے نکال رہی ہے۔ اگر کوئی ستر برس کا کافر بھی ''اشهد ان لا اله إلا الله و اشهد ان محمدا رسول الله'' پڑھ لے تو اسی لمحے وہ جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ جائے گا۔ بہر حال! یہ زبان اتنا بڑا کارنامہ انجام دے رہی ہے کہ انسان کو جہنم سے نکال رہی ہے اور جنت میں داخل کر رہی ہے، جنت میں داخل کرنے کے اسباب جمع کر رہی ہے اور آخرت کے خزانے اکھٹے کر رہی ہے۔

یہ زبان جہنم میں لیجانے والی ہے

اس زبان کے خالق اور مالک کی طرف سے اتنا مطالبہ ہے کہ اس زبان کو ذرا سنبھال کر استعمال کرو اور اس کو گناہ کے کاموں میں استعمال مت کرو۔ کیونکہ اگر تم نے اس کو گناہ کے کاموں میں استعمال کرلیا تو پھر جہنم میں لے جانے والی اس سے زیادہ خطرناک بھی کوئی چیز نہیں، اس لئے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز ان کی زبان ہے۔ یہ زبان انسان کو بہت تیزی سے جہنم کی طرف لے جاتی ہے، مثلاً اگر جھوٹ بولا تو اس کی سزا جہنم، اگر غیبت کی

تو اس کی سزا جہنم، کسی کی دل آزاری کی تو اسکی سزا جہنم، جو لفظ بھی زبان سے ایسا نکلے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہو، وہ لفظ انسان کو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے، لہٰذا آپ سے مطالبہ یہ ہے کہ اس زبان کو قابو میں رکھو تا کہ کوئی غلط بات زبان سے نہ نکلے۔

زبان کے ذریعہ غیبت

ہوتا یہ ہے کہ انسان یہ بھول جاتا ہے کہ مجھے کیسی عظیم الشان نعمت ملی ہوئی ہے اور کس نے یہ نعمت دی ہے اور کس کام کے لئے دی ہے؟ یہ سب باتیں بھول جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن رات صبح سے لے کر شام تک اس زبان کو بے دھڑک استعمال کرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں جائز کام کر رہا ہوں۔

لیکن جب جائز کاموں کے اندر بھی اس زبان کو بے دھڑک استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں کچھ خرابی ضرور آ جاتی ہے، مثلاً آپ کسی جاننے والے کا اچھائی کے ساتھ تذکرہ کر رہے ہیں کہ فلاں صاحب تو بڑے اچھے ہیں، نیک آدمی ہیں، نماز روزے کے پابند ہیں وغیرہ، آپ تو اس کے اوصاف بیان کر رہے ہیں لیکن شیطان درمیان میں ایک پیوند لگا دیگا کہ یہ صاحب ویسے تو بڑے نیک ہیں لیکن ذرا سے بے وقوف ہیں، اب "لیکن" لگا کر ایک جملہ بڑھا دیا، اس ایک جملے نے اس تعریف کو غیبت میں تبدیل کر دیا، وہ غیبت جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے

کہ:

الغیبة اشد من الزنا

یعنی غیبت زنا سے زیادہ شدید تر ہے۔ شیطان نے اس کو غیبت کے اندر مبتلا کر دیا۔

اس زبان کو قابو میں کرو

بات دراصل یہ ہے کہ جب آدمی باتیں زیادہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں زبان حد سے پھسل جاتی ہے اور حد پر نہیں رہتی، اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس زبان کو قابو میں کرو اور باتیں ہی کم کرو، جب باتیں کم کرو گے تو زبان کے پھسلنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی، زبان اس لئے پھسلتی ہے کہ وہ صبح سے لے کر شام تک قینچی کی طرح چل رہی ہے اور اس پر کوئی رکاوٹ اور پابندی نہیں ہے۔ جن لوگوں کو بزرگوں کی صحبت میسّر نہیں ہوتی، ان کو زبان قابو میں کرنے کی کوئی فکر بھی نہیں ہوتی، جا کر بازاروں میں دیکھیں لوگ بے دھڑک بلا سوچے زبان سے الفاظ نکالتے ہیں، کیا ان میں سے کسی کو اس بات کی فکر ہے کہ اس زبان کو بھی قابو کرنا چاہئے، بس صبح سے لے کر شام تک ان کی زبانیں چل رہی ہیں۔

بلا ضرورت نہ بولو

اس صورت حال کو بدلنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے اوپر تھوڑی

سی پابندی لگائی جائے، اسی وجہ سے حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کم بولو اور صرف ضرورت کے وقت بولو، بلا ضرورت نہ بولو بلکہ خاموش رہو۔ اور بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے بات کو تولو پھر بولو، اس پر عمل اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب انسان کم بولنے کی عادت ڈالے، دل تقاضہ کر رہا ہے کہ بولو لیکن اگر بولنے کی ضرورت نہیں ہے تو خاموش ہو جاؤ، مت بولو۔

حضرت میاں صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے ''حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے، ہم نے ان کی عجیب عجیب باتیں سنی ہیں، حضرت والد صاحبؒ سے بے تکلف بھی تھے۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو وہ فرمانے لگے کہ مولوی شفیع صاحب! آج ہم عربی میں باتیں کریں گے، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ساری عمر تو کبھی عربی میں بات نہیں کی، نہ عربی میں بات کرنے کی عادت ہے اور نہ اس کی مشق ہے، اس لئے میں نے پوچھ لیا کہ حضرت ایسا کیوں؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب ہم اپنی زبان میں بولتے ہیں تو زبان پر قابو رہتا نہیں جو چاہتے ہیں بولتے چلے جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں کثرت کلام میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور عربی بولنے کی نہ تمہیں زیادہ مشق ہے اور نہ مجھے زیادہ مشق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو ضرورت کی بات ہوگی وہی

کریں گے اور وہ بھی ٹوٹے پھوٹے انداز میں کریں گے اور ضرورت کے بغیر کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکلے گا۔

ہماری مثال

پھر حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو بہت ساری پونجی لے کر گھر سے نکلا تھا، شروع میں وہ اس پونجی کو بے کھٹکے لٹاتا رہا کہ کبھی یہ چیز خریدلی اور کبھی وہ چیز خریدلی، کبھی یہ چیز کھالی اور کبھی وہ چیز کھالی، یہاں تک کہ اس پونجی کا بہت تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا جب کہ اس کی منزل ابھی بہت دور ہے، اب اس شخص کا یہ حال ہوگا کہ جو پونجی باقی رہ گئی ہے اس کو سوچ سوچ کر پھونک پھونک کر خرچ کرے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ منزل تک پہنچنے سے پہلے پہلے یہ پونجی ختم ہو جائے۔

جائز بات بھی بلا ضرورت مت بولو

ہماری مثال بھی ایسی ہی ہے کہ ہم نے بھی اپنی عمر کے بہت بڑے حصے میں اس زبان کی نعمت کو بے تحاشا اور بے محابا خرچ کرنے میں ضائع کر دیا، یہ پتہ نہیں کہ کتنی عمر مزید باقی ہے، اس لئے اس کی کوشش کرلیں کہ آئندہ اس زبان کو صحیح مصرف میں استعمال کرلیں اور غلط مصرف سے اس کو بچالیں، "تقلیل کلام" کا اصل منشا یہ ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شروع میں بہت کم بولو، جائز بات بھی بلا ضرورت مت بولو اور رفتہ رفتہ جب کم بولنے کی عادت ہو جائے گی

اور طبیعت اعتدال پر آ جائے گی تو پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے منہ سے وہی بات نکلے گی جو اعتدال کے اندر ہو۔

جب طبیعت اعتدال کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے تو پھر جو لفظ بھی زبان سے نکلتا ہے وہ نکا ہوا نکلتا ہے، ایک سوت ادھر یا ادھر نہیں ہوتا، کہیں مبالغہ نہیں ہوتا، کہیں حد سے زیادہ تعریف نہیں ہوتی، کہیں حد سے زیادہ مذمت نہیں ہوتی۔

نئی نسل کو کوئی زبان نہیں آتی

بعض لوگ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پڑھتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت والا بڑے ثقیل ثقیل لفظ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات حضرت کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ پہلی بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ حضرت والا نے جس زمانے میں یہ کتابیں لکھی ہیں اور یہ ملفوظات ارشاد فرمائے ہیں، اس زمانے میں لوگوں کی ایسی حالت نہیں تھی جو حالت آج ہے، آج تو ایسی قوم تیار ہوگئی ہے جس کو کوئی زبان آتی ہی نہیں، نہ اردو، نہ فارسی، نہ عربی، نہ انگریزی، کوئی زبان صحیح نہیں آتی، آج کا گریجویٹ اور ایم اے پاس شخص جب بات کرے گا تو یہ کہے گا کہ ”میں تشریف لایا تھا، آپ حاضر ہوئے تھے“ ”میں آپ کے پاس اس لئے تشریف لایا تھا کہ آپ میرے گھر پر حاضر ہو جائیں“ اور ”میں نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ نے جو عرض کیا تھا“ اس طرح کے الفاظ کا عام رواج ہے، میرے پاس اچھے خاصے پڑھے

لکھے لوگوں کے خطوط آتے ہیں، ان میں املاء کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بہر حال! ایک ایسی نسل تیار ہو رہی ہے جس کو کوئی زبان صحیح نہیں آتی، اللہ تعالیٰ ہی اس پر رحم کرے۔

اردو بولنے والوں کے چند فقرے

جس زمانے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ اور ملفوظات ارشاد فرمائے ہیں، وہ زمانہ ایسا تھا کہ اس میں عام آدمی بھی علمی اصطلاحات سے اتنا بے خبر نہیں تھا، اس زمانے کے مڈل پاس لوگوں کے خطوط آج اٹھا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ اس کے اندر عربی زبان کے الفاظ اس طرح استعمال کرتے تھے کہ آج کا ایم اے اور بی اے پاس شخص بھی ان کو سمجھ نہیں سکتا۔ آج کے لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ "میں آج ایک ضیافت میں مدعو تھا" دوسرے شخص نے کہا کہ تم عربی بول رہے ہو یا اردو بول رہے ہو؟ اس شخص نے دوبارہ یوں کہا کہ "آج مجھے ایک فنکشن میں انوائٹ کیا گیا ہے" تو دوسرے شخص نے کہا کہ ہاں! اب تم نے اردو بولی، آج ہماری یہ حالت ہوگئی ہے۔ گویا "ضیافت" اور "مدعو" کے الفاظ بڑے ثقیل ہوگئے، اس وجہ سے آج کے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور ملفوظات میں بڑے ثقیل لفظ ہوتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا کلام جچا تلا ہوتا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ اگر پڑھا لکھا آدمی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے کلام میں ذرا غور کر کے دیکھئے تو یہ نظر آئے گا کہ حضرت کا کلام ایسا تلا ہوا ہوتا ہے کہ اس میں نہ تو ایک لفظ زائد ہوتا ہے نہ کم ہوتا ہے، اس لئے بعض اوقات ان کو اپنا کلام حدود کے اندر رکھنے کے لئے کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جو آسان ہو، اس وجہ سے وہ بعض اوقات اپنے کلام میں مشکل الفاظ لے آتے ہیں، لیکن یہ صرف اس لئے ایسا کرتے ہیں تاکہ بات حدود کے اندر رہے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ

میرے والد ماجدؒ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ سنایا کرتے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ خودرائی بہت بُری بلا ہے، یعنی ہمیشہ صرف اپنی رائے پر بھروسہ کرنا اور صرف اپنے اوپر اعتماد کر کے ہر کام کا خود ہی فیصلہ کر لینا یہ بہت بُرا ہے، لہٰذا ہر کام سے پہلے مشورہ ضرور کر لیا کرو۔ اور فرمایا کہ "جب تک ضابطے کے بڑے موجود ہوں، ان سے مشورہ کرو" اب دیکھئے! یہ نہیں فرمایا کہ "جب تک بڑے موجود ہوں" بلکہ فرمایا کہ جب تک ضابطے کے بڑے موجود ہوں، پھر خود ہی اس لفظ کے بڑھانے کی وجہ بیان فرمائی کہ "ضابطے کے بڑے" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اور کون چھوٹا ہے؟ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ

(سورۃ ق: ۱۳)

بڑا وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نواز دیں، جس کی مغفرت فرما دیں اور جس سے خوش

ہو جائیں، یہ نہیں ہے کہ جو شخص عمر میں بڑا ہے یا مرتبہ میں بڑا ہے، وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی بڑا ہوگا، یہ ضروری نہیں، لیکن دنیا کے اندر ضابطے میں اللہ تعالیٰ نے کچھ مرتبے بنا دیے ہیں، مثلاً باپ بیٹے سے بڑا ہے، استاذ شاگرد سے بڑا ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تک ضابطے کے بڑے موجود ہوں، ان سے مشورہ کیا کرو اور جب ضابطے کے بڑے موجود نہ رہیں تو اپنے برابر والوں سے مشورہ کیا کرو اور جب وہ بھی نہ رہیں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرو۔

جب اعتدال ہو تو ایسا ہی کلام نکلتا ہے

اگر ہم اور آپ بولتے تو صرف یہ کہتے کہ بڑوں سے مشورہ کرلیا کرو، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ لفظ اس طرح نہیں نکلا، کیونکہ دوسرے کو بڑا کہہ دینا تو "تزکیہ علی اللہ" ہے، اس لئے انہوں نے ایک لفظ بڑھا کر فرمایا کہ ضابطے کے بڑوں سے مشورہ کیا کرو۔ جب اللہ تعالیٰ طبیعت میں اعتدال عطا فرما دیتے ہیں تو پھر منہ سے اور قلم سے جو لفظ بھی نکلتا ہے، وہ نپا تلا نکلتا ہے، نہ ایک انچ اِدھر ہوتا ہے، نہ ایک انچ اُدھر ہوتا ہے، یہی حال زبان کا ہوتا ہے، یہی حال قلم کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب آدمی تحریر لکھے تو تحریر کے اندر یہ نہ ہو کہ آدمی جوش کتابت میں حدود سے تجاوز کر جائے اور ضرورت سے زیادہ کلمات استعمال کرلے بلکہ جو کلمہ لکھے وہ سوچ سمجھ کر لکھے۔

کس مقصد سے بات کر رہے ہیں؟

اس غرض کے لئے حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کم بولو، جب شروع میں انسان اس طریق میں قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے یہ کام کرنا ہی پڑتا ہے، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ہر قول اور ہر فعل اختیاری کسی نہ کسی غایت کے لئے مطلوب ہوتا ہے، پس ہر کام اور ہر بات میں یہ سوچنا چاہئے کہ اس کی غایت کیا ہے؟ جس کام اور جس بات کی کچھ غایت نہ ہو وہ فضول ہے، اور غایت معلوم ہو مگر مفید نہ ہو وہ بھی فضول ہے، اور اگر وہ غایت کوئی ضرر ہو لازم یا متعدی تو وہ کلام یا بات مضر ہے۔

(انفاس عیسیٰ، ص۱۸۶)

فرمایا کہ جب بھی کوئی بات کرو تو ایک لمحہ کے لئے تھوڑا سوچ لیا کرو کہ جو بات میں کرنے جا رہا ہوں، اس کا مقصد کیا ہے؟ اگر مقصد صحیح ہے اور شریعت کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے بات کرلو، لیکن اگر مقصد صحیح نہیں اور شریعت کے مطابق نہیں، یا اس بات کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہے تو پھر بلا وجہ زبان کو اس میں ملوث نہ کرو بلکہ اس کو چھوڑ دو اور رک جاؤ۔ اس کی عادت اور مشق کرنے کی ضرورت ہے، یہ تہیہ کرلو کہ زبان کو غلط استعمال نہیں کریں گے بلکہ اس کو قابو میں کریں گے، جب آدمی اللہ کے لئے تہیہ کر لیتا ہے اور ارادہ کر کے اپنا کام درست کرنا چاہتا ہے تو پھر اللہ جل شانہ کی طرف سے

مدد بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ الَّذِيْنَ جَا هَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِ يَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت:۶۹)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں، ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستوں پر لے جاتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''ہدایت'' سے مراد ''ارائۃ الطریق'' نہیں ہے بلکہ ''ایصال الی المطلوب'' ہے، یعنی ہاتھ پکڑ کر منزل تک لے جاتے ہیں، لیکن کوئی ارادہ تو کرے، قدم تو بڑھائے، ارادہ کرنے کے بعد پھر وہی سمجھاتے ہیں کہ کیا بولنا چاہئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے سفر میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے، جبکہ اہل مکہ نے اعلان عام کر رکھا تھا کہ جو شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لے آئے گا۔ العیاذ باللہ۔ زندہ یا مردہ، اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ آپ اندازہ کریں کہ آج بھی سو اونٹ کی کیا قیمت ہوگی، اس زمانے میں کیا ہوگی، اتنا بڑا انعام مقرر کر رکھا تھا اور چاروں طرف ہرکارے دوڑا رکھے تھے اور چاروں طرف جاسوس بکھرے ہوئے تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھپتے چھپاتے جارہے تھے، راستے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی پرانا جاننے والا مل گیا جو کسی اور شہر کا رہنے والا تھا، چونکہ حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر دلعزیز بھی تھے اور تاجر بھی تھے، اس لئے ان کے تعلقات لوگوں سے زیادہ تھے۔ بہرحال! وہ شخص آپ سے مل کر بہت خوش ہوا اور پھر پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ چونکہ وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا نہیں تھا، اس لئے آپ کے بارے میں پوچھا، اب اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچ بولتے ہیں کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ان حالات میں بتانا خطرناک ہے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے ذریعہ دشمنوں تک خبر پہنچ جائے اور وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچادیں، اور اگر نہ بتائیں تو یہ بھی ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ تو براہ راست سوال کر رہا ہے اور اگر یہ کہیں کہ یہ کوئی اور آدمی ہے تو جھوٹ ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ وہ تو "صدیق اکبر" تھے، جھوٹ نہیں بول سکتے تھے، جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا، لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جواب مانگا ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب القاء ہوا کہ یوں کہہ دو: **ھادیھد ینی السبیل** یہ میرے رہنما ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں۔ دیکھئے کہ اس وقت جبکہ جان پر بنی ہوئی ہے، موت آنکھوں کے سامنے ناچ رہی ہے، اس وقت بھی "صدیق" کی زبان سے کوئی کلمہ حد سے گزرا ہوا نہیں نکلا۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنا دیتا ہے تو پھر انہی کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے کہ اس موقع پر کیا کہا جائے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا جھوٹ سے بچنا

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند

کے بانی تھے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا، چنانچہ انگریزوں کی طرف سے ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے، اس زمانے پر چوراہوں پر پھانسیاں لگی ہوئی تھیں، چنانچہ پولیس ان کو تلاش کر رہی تھی، حضرت مولانا دیوبند کی چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے، لنگی اور معمولی سا کرتہ پہنتے تھے، کوئی شخص دیکھ کر یہ پتہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہوں گے، پولیس والے تلاش کرتے ہوئے چھتہ کی مسجد میں پہنچ گئے، پولیس والوں نے یہ سوچا کہ جب انہوں نے اتنا بڑا کام کیا ہے تو کوئی بہت بڑے عالم ہوں گے اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ جبہ قبہ اور دستار لگائے ہوئے ہوں گے، مگر حضرت مولانا چھتہ کی مسجد میں لنگی پہنے بیٹھے تھے، ان پولیس والوں کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ مولانا قاسم صاحبؒ ہیں، وہ سمجھے کہ یہ مسجد کا کوئی خادم ہے، چنانچہ انہی سے جا کر پوچھا کہ مولانا قاسم صاحب کہاں ہیں؟ حضرت مولانا اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور ذرا سا ہٹ کر فرمایا کہ ابھی تو یہاں تھے۔ کیونکہ اگر بتا دیں کہ میں قاسم ہوں تو پکڑے جائیں اور اگر جھوٹ بولیں تو وہ گوارہ نہیں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مدد ہوئی کہ ذہن میں جواب القاء فرما دیا۔ چنانچہ پولیس والے ادھر ادھر تلاش کر کے واپس چلے گئے۔

حضرت گنگوہیؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی جہاد آزادی

میں شریک تھے، وہ بھی پکڑے گئے اور مجسٹریٹ کی عدالت میں بلائے گئے، مجسٹریٹ نے کہا کہ تمہارے خلاف الزام یہ ہے کہ تمہارے پاس ہتھیار ہیں، بتاؤ تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟ اب حضرت کے پاس ہتھیار تو تھے جو آپ نے تہہ خانے میں دفن کر دیے تھے، اب اگر یہ کہیں کہ ہتھیار نہیں ہیں تو جھوٹ ہوتا ہے، اگر سچ بولیں کہ ہتھیار ہیں تو پھانسی کا تختہ سامنے ہے، حالانکہ ایسے موقع پر جب آدمی کی جان پر بن جائے تو بعض اوقات جھوٹ بولنے کی بھی اجازت ہو جاتی ہے۔ حضرت کے ہاتھ میں تسبیح تھی، آپ نے وہ تسبیح اوپر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا ہتھیار تو یہ ہے، ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اتنے میں ایک دیہاتی آ گیا اور مجسٹریٹ سے کہنے لگا کہ ارے تم کس کو پکڑ لائے، یہ تو ہماری مسید (مسجد) کا موجن (موذن) ہے، چنانچہ مجسٹریٹ نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو ہاتھ میں تسبیح لئے گھوم رہا ہے اور دیہاتی بھی یہ کہہ رہا ہے کہ یہ موذن ہے، تو اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس طرح مدد ہوتی ہے۔

خلاصہ

بہرحال! جب آدمی ارادہ کر لے کہ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس مشین کو صحیح استعمال کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال کروں گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے ارادہ کرلو، عزم کرلو اور اس کی فکر کرو تو پھر ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۶۸

بخل اور اس کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۶۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

بخل اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ أمَّا بَعْدُ!

بخل مال کی محبّت کا نتیجہ ہے

مختلف باطنی بیماریوں کا بیان چل رہا ہے، یہاں سے حضرت والا نے ”بخل“ کا بیان شروع فرمایا ہے۔ یہ ”بخل“ بھی باطنی بیماریوں میں سے ایک

بیماری ہے، جسے عرف عام میں کنجوسی کہتے ہیں۔ جب انسان کے دل میں مال کی اتنی محبت ہوجاتی ہے کہ پیسے ہاتھ سے جاتے ہوئے جان نکلتی ہے تو یہ بخل ہے لہٰذا یہ بڑا مذموم وصف ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ اس بخل کے نتیجے میں انسان اپنے فرائض و واجبات میں غفلت برتتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

بخل کے نتائج

''بخل'' انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ جو مال آ گیا ہے، وہ اب کہیں نہ جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں شرعی اعتبار سے خرچ کرنا ضروری ہے، مثلاً زکوٰۃ ہے، مالی حقوق واجبہ ہیں، بیوی بچوں کا نفقہ ہے، ان میں بھی انسان پھر صحیح طور پر خرچ نہیں کرتا، بخل کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ بس کسی طرح بھی پیسہ میرے پاس آ جائے اور پھر اسی جذبہ کے تحت انسان، جائز اور ناجائز کی پرواہ مٹا دیتا ہے، بس مال آ رہا ہے، اس کو آنے دو، چاہے وہ حلال طریقے سے آ رہا ہے یا حرام طریقے سے آ رہا ہے۔ اگر مال حرام طریقے سے آ رہا ہے اور وہ شخص مولوی بھی ہے تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس حرام مال کو کوئی تاویل کر کے حلال بنالے، تاکہ یہ حرام مال جو آ رہا ہے یہ کسی طرح میرے پاس رہ جائے اور دوسرے کے پاس نہ جائے۔

بخل دو دھاری تلوار ہے

لہٰذا یہ ''بخل'' ایک طرف حقوق واجبہ کی ادائیگی میں رکاوٹ بنتا ہے،

دوسری طرف معصیتوں کے ارتکاب کا داعی بنتا ہے اور حرام طریقے سے مال اور پیسہ حاصل کرنے کی فکر انسان کے اندر پیدا کرتا ہے، اس لئے یہ "بخل" دو دھاری تلوار ہے، اِدھر سے بھی کاٹتی ہے اور دوسری طرف سے بھی کاٹتی ہے، گناہ میں بھی مبتلا کرتی ہے اور حقوق واجبہ اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی بھی کراتی ہے، اس لئے یہ بڑی خطرناک بیماری ہے اور اس کا علاج بڑا ضروری ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں انفاس عیسیٰ میں جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ان سے اس بیماری کے کچھ اصول معلوم ہو جاتے ہیں۔

کتاب البخلاء

اگر آدمی اس "بخل" کی تفصیلات اور جزئیات کو بیان کرے تو بات بڑی لمبی ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ جاحظؒ جو ایک ادیب آدمی ہے، اس نے اسی موضوع پر "کتاب البخلاء" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جو دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں بخلاء کے حالات بیان کئے ہیں کہ دنیا میں کیسے کیسے بخیل ہوتے ہیں، کیا کیا ان کے اوصاف ہوتے ہیں اور ان بخلاء کے بڑے عجیب و غریب قصے لکھے ہیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے بخل کی اقسام کا پتہ چلتا ہے کہ کن کن دائروں میں "بخل" چلتا ہے اور کیا کیا اس کی صورتیں ہوتی ہیں اور یہ کس کس طرح سے انسان کو مارتا ہے۔ یہ کتاب ادب کا شاہکار ہے۔ اس کے علاوہ "احیاء العلوم" میں بھی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "بخل" پر لمبی بحث فرمائی ہے۔ لیکن یہاں "انفاس عیسیٰ" میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "بخل" پر حضرت والا کے جو ارشادات نقل فرمائے ہیں، وہ صرف ایک صفحہ

میں آگئے ہیں جو حضرت والا کے مواعظ اور ملفوظات سے نقل کر کے یہاں جمع فرما دیے ہیں، لیکن اس ایک صفحے میں اس بیماری کے بارے میں جو بنیادی اور اصل الاصول باتیں ہیں، وہ سب یہاں جمع فرما دی ہیں۔

ایک صاحب نے حضرت والا کو خط میں لکھا کہ:

پیسہ اٹھاتے ہوئے قلب بہت تنگ ہو جاتا ہے۔

حضرت والا نے جواب دیا کہ:

اگر کوئی حق واجب فوت نہ ہو تو کچھ غم نہیں۔

اصلاح کا طریقہ اپنے عیوب کا اظہار کرنا ہے

جو اللہ کے بندے اپنی اصلاح کے لئے کسی شیخ سے رجوع کرتے ہیں تو پھر اپنی ایک ایک بات اپنے شیخ کو لکھتے ہیں، کیونکہ شیخ سے رجوع کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ جو حالات تم اپنے اندر محسوس کر رہے ہو، وہ شیخ کو بتاؤ پھر شیخ دیکھ کر بتائے گا کہ واقعۃً یہ کوئی بیماری ہے یا نہیں؟ اگر بیماری ہے تو شیخ اس کا علاج کرے گا، اگر تم نہیں بتاؤ گے تو شیخ کے پاس علم غیب تو ہے نہیں، اس لئے شیخ کو اپنے حالات بتانے پڑتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کے اندر اپنی اصلاح کی فکر عطا فرما دیتے ہیں تو پھر انسان کی نگاہ اپنے حالات اور اپنے عیوب کی طرف جانے لگتی ہے اور جب تک فکر نہیں ہوتی تو پھر غفلت کی حالت میں انسان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے، صحیح رخ پر جا رہا ہوں یا غلط رخ پر جا رہا ہوں، دل میں جو خیالات آ رہے ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط ہیں، بس کچھ پرواہ نہیں ہوتی، لیکن جب اللہ تعالیٰ فکر عطا فرماتے ہیں تو آدمی کے اندر ایک کھٹک

پیدا ہو جاتی ہے۔

دل میں کھٹک پیدا ہونا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''تقویٰ'' کے معنی ہیں ''کھٹک'' یعنی دل میں یہ کھٹک پیدا ہو جائے کہ میں جو کام کر رہا ہوں یہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ جو خیال میرے دل میں آ رہا ہے؟ یہ درست ہے یا غلط ہے، یہ کھٹک ہی کامیابی کی کلید ہے، کیونکہ جب کسی کام کے وقت دل میں کھٹک پیدا ہوئی اور پھر شیخ کو اس کھٹک کی اطلاع کر دی تو اب شیخ اس کا علاج بتادے گا۔ اب دیکھئے! اس اللہ کے بندے کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ جب میں کہیں پیسہ خرچ کرتا ہوں تو دل میں بہت تنگی ہوتی ہے اور دل دکھتا ہے کہ پیسہ جا رہا ہے، تو یہ کہیں بخل کی بیماری تو نہیں ہے، اگر یہ بیماری ہے تو شیخ سے اس کا علاج پوچھنا چاہئے۔

پیسے جانے کا غم گناہ نہیں

جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ ''اگر کوئی حق واجب فوت نہ ہو تو کچھ غم نہیں'' مطلب یہ ہے کہ پیسے کے جانے سے دل میں جو غم ہو رہا ہے یا صدمہ ہو رہا ہے یا دکھ ہو رہا ہے، یہ صدمہ اور غم بذات خود کوئی گناہ نہیں، کیونکہ یہ ایک غیر اختیاری معاملہ ہے، انسان کو اس پر اختیار نہیں اور اللہ تعالیٰ انسان کو کسی ایسے عمل پر سزا نہیں دیتے جو اس کے اختیار سے باہر ہو، ہاں! اگر یہ صدمہ اور غم کسی حق واجب کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائے، مثلاً زکوۃ فرض

تھی، وہ ادا نہیں کی، صدقۃ الفطر واجب تھا، وہ نہیں دیا، بیوی بچوں کو جتنا نان و نفقہ دینا چاہئے تھا، اتنا نہیں دیا، کسی ملازم کو رکھا تھا، اس کے پورے حقوق نہیں دیے اور اس غم اور صدمہ کے نتیجے میں حق واجب فوت ہوگیا تو یہ گناہ ہے۔

صرف مال کی محبت مضر نہیں

اور اسی حق واجب فوت ہونے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی معصیت کا ارتکاب کرلیا، مثلاً ناجائز اور حرام کام کے ذریعہ پیسے حاصل کر لئے، لہٰذا جب تک کسی حرام اور ناجائز کام کا ارتکاب نہ ہو تو محض دل کا تنگ ہو جانا گناہ کا سبب نہیں۔ اسی لئے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی حق واجب فوت نہ ہو تو کچھ غم نہیں۔ کیونکہ بخل کے اصل معنی ہیں "مال کی محبت" اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہارے دل میں مال کی محبت ڈالی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ۔ (آل عمران:۱۴)

لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت مزیّن کر دی گئی ہے، مثلاً عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی، جب اللہ تعالیٰ نے محبت ڈالی ہے تو وہ محبت دل میں موجود ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔ (النساء:۱۲۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بنیادی طور پر بخل کا مادہ پیدا کیا ہے۔ لہٰذا محض بخل کا مادہ ہونا کوئی گناہ اور قابل مؤاخذہ بات نہیں، البتہ قابل مؤاخذہ اس وقت ہے جس انسان اس محبت کو گناہ کے کاموں کے استعمال کرے، یا وہ محبت انسان کو گناہ پر آمادہ کر دے، یا حق واجب کو فوت کرنے پر آمادہ کر دے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دعا

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کا محل مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو اس وقت مسجد نبوی میں سونے کے اتنے ڈھیر لگ گئے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈھیر کے پیچھے چھپ گئے، سونے کے اس ڈھیر کو دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ! ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں اس مال سے محبت نہیں ہے، نہ یہ دعا کرتے ہیں کہ یہ محبت بالکل ختم ہو جائے، البتہ ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اس مال کی محبت آپ کے دین کے لئے فتنہ نہ بنے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس مال کی محبت ہمارے دل سے نکال دیجئے، کیونکہ یہ مال تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، اسی کو "فضل اللہ" فرمایا ہے، اسی مال کو "خیر" فرمایا ہے، اسی مال کو "جعل اللہ لکم قیاماً" فرمایا ہے، اس لئے اس مال کی نفرت مطلوب نہیں، بلکہ فی نفسہٖ یہ مال کام کی چیز ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا قوام بنایا ہے، اس لئے نہ تو ہم اس مال کی نفرت مانگتے ہیں اور نہ اس کی محبت کا

ازالہ مانگتے ہیں، ہاں! اے اللہ! ہم یہ مانگتے ہیں کہ یہ مال ہمیں معصیت پر آمادہ نہ کرے اور ہمارے دین کو کسی فتنہ میں مبتلا نہ کرے۔

مال کی کونسی محبت گناہ ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ طبعی طور پر دل میں مال کی محبت ہونا نہ گناہ ہے اور نہ مضر ہے، ہاں! اگر مال کی محبت اتنی زیادہ ہو جائے کہ وہ انسان کو صحیح جگہ پر خرچ کرنے سے روک دے تو وہ ''بخل'' ہے اور حرام ہے اور بیماری ہے۔ اب دیکھئے اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان صاحب کو تسلی دیدی کہ ''اگر حق واجب فوت نہ ہو تو کچھ غم نہیں'' لیکن یہ بات خوب سمجھ لیجئے کہ ہر انسان کے لئے ایک نسخہ نہیں ہوتا، طبیب اور معالج ہر مریض کے حالات دیکھ کر اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے، چنانچہ حضرت والا نے اس شخص کو دیکھا کہ یہ شخص حد اعتدال کے اندر ہے اور اعتدال سے آگے بڑھا ہوا نہیں ہے، اس لئے آپ نے اس کو تسلی دیدی اور کسی خطرے سے متنبہ نہیں فرمایا۔

یہ خطرہ کی گھنٹی ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مال کی محبت ہے اور مال خرچ کرتے ہوئے دل دکھ رہا ہے، یہ حالت مذموم تو نہیں اور نہ گناہ ہے، لیکن اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ حالت کسی وقت آگے بڑھ کر ''بخل'' کی حد تک پہنچ جائے گی اور کسی بھی وقت حق واجب کو بھی ادا کرنے کا راستہ روک دے گی، لہٰذا جب مال خرچ کرنے سے دل دکھ رہا ہے تو یہ خطرہ کی گھنٹی ہے، اس خطرہ کی گھنٹی

کا علاج یہ ہے کہ اس محبت کو ذرا پیچھے کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ سرحد سے اتنی دور رہے کہ سرحد پار کر جانے کا احتمال نہ ہو۔ چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس محبت کو کم کرو یہاں تک کہ یا تو یہ دکھ بالکل ختم ہو جائے یا یہ کہ اتنا کم ہو جائے کہ وہ کالعدم ہو جائے، جب مشق کرو گے تو یہ حالت حاصل ہو جائے گی۔

دراہم امام زہریؒ کی نظر میں

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے محدث ہیں، ان کے ایک شاگرد ہیں امام معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ، وہ شاگرد امام زہریؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ما رأيت أحداً الدنيا أهون عنده مما كانت عند الزهري، كانت الدراهم عنده بمنزلة البعر۔

یعنی میں نے آج تک کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جس کے دل میں دنیا اتنی بے وقعت ہو جتنی امام زہریؒ کے دل میں بے وقعت تھی، دراہم ان کے نزدیک ایسے تھے جیسے مینگنیاں۔ جیسے مینگنیوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، ایسی ہی ان کے نزدیک دراہم کی بھی کوئی قیمت نہیں تھی، یعنی دراہم کی طرف کوئی التفات ہی نہیں تھا، کوئی محبت ہی نہیں تھی۔

میاں جی نور محمدؒ اور دنیا

حضرت میاں جی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ جب بازار جا کر کوئی چیز خریدتے تو پیسوں کی تھیلی دکاندار کو دیدیتے اور کہتے کہ تم اس چیز کی قیمت اس تھیلی میں سے لے لو، خود گن کر نہیں دیتے تھے اور یہ

سوچتے کہ جتنا وقت تھیلی میں سے پیسے نکال کر گننے میں صرف ہوگا، اتنا وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کیوں نہ صرف کیا جائے۔ کسی چور نے دیکھ لیا کہ ان کے پاس پیسوں کی تھیلی ہے، چنانچہ وہ تھیلی کندھے پر لٹکائے جا رہے تھے کہ چور پیچھے سے آیا اور تھیلی لے کر بھاگ گیا، انہوں نے کوئی مزاحمت ہی نہیں کی، وہ تھیلی چھوڑ دی اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کون چھین کر لے جا رہا ہے۔

اب وہ چور تھیلی لے کر ان کے علاقے سے باہر نکلنا چاہتا ہے مگر اس کو راستہ ہی نہیں ملتا، وہ گلیاں اس کے لئے بھول بھلیاں بن گئیں، اب پریشانی کے عالم میں کبھی ایک گلی میں داخل ہوتا اور کبھی دوسری گلی میں داخل ہوتا، مگر باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا، آخر میں اس کو خیال آیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اس اللہ کے ولی کے ساتھ زیادتی کرنے کا وبال ہے، چنانچہ وہ چور میاں جی کے گھر پر پہنچا اور دروازے پر دستک دی، انہوں نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟ چور نے کہا کہ یہ اپنی تھیلی لے لو، میاں جی نے فرمایا کہ میں یہ تھیلی نہیں لیتا، اس لئے کہ جس وقت تو نے چھینی تھی، اسی وقت میں نے تجھے صدقہ کر دی تھی، لہٰذا اب یہ تھیلی میری ملکیت نہیں رہی۔ وہ چور کہتا ہے کہ خدا کے لئے لے لو، وہ کہتے ہیں کہ میں نہیں لیتا، آخر میں چور نے کہا کہ حضرت! مجھے نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے، یہ دعا کر دو کہ راستہ مل جائے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اچھا چلا جا، میں دعا کرتا ہوں، چنانچہ وہ چور تھیلی لے کر چلا گیا۔

مال کی محبت سے ذرا پیچھے رہو

بہر حال! ایسے بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں کہ ان کے دل سے مال کی محبت بالکل جاتی رہی، اب یا تو یہ صورت حال پیدا ہو جائے یا کم از کم

مال کی محبت اتنی کم ہو جائے کہ وہ خطرے کی حد سے دور ہو جائے، اس وجہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مال کی محبت سے ذرا پیچھے رہو۔ اس بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتیں بیان فرمائیں۔

اس کیفیت کو برا سمجھو اور دعا کرو

ایک یہ کہ جب تم یہ محسوس کرو کہ پیسوں کے جانے سے دل دکھ رہا ہے اور دل میں تنگی ہو رہی ہے تو ایک کام یہ کرو کہ دل کی اس کیفیت کو برا سمجھو کہ یہ کوئی اچھی کیفیت نہیں۔ دوسرا کام یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! یہ مال کی محبت کا سانپ کہیں مجھے ڈس نہ لے اور کسی وقت میرے لئے مصیبت نہ بن جائے، لہٰذا یا اللہ! میری اس مال کی محبت کو اعتدال سے بڑھنے سے روکئے اور حد کے اندر رکھئے۔ یہ دعا کرتے رہو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر یہ محبت نقصان دہ نہیں ہوگی۔

آپ نے اس کو تسلی دیدی

البتہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں اس شخص کو تسلی دیدی کہ یہ دکھ اور تکلیف بری اور ناجائز نہیں اور اس شخص کو اس دکھ پر متنبہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس شخص کی خصوصیت تھی، آپ جانتے تھے کہ یہ شخص مال کی محبت میں آگے بڑھنے والا نہیں ہے، اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس کو تسلی نہ دیتے بلکہ اس کو متنبہ فرماتے کہ یہ دکھ ہونا تو بڑی خطرناک بات ہے، اس کی فکر کرو۔ شیخ کا اصل کام ہی یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ کس شخص کو کس وقت کیا نسخہ دیا جائے۔

یہ حُبِ اعتدال ہے

ایک اور صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ:

خرچ کرنے میں فی الجملہ گرانی معلوم ہوتی ہے، ناداری اور قرض کرنے سے خوف رہتا ہے، گو حقوق واجبہ میں کوتاہی نہیں کرتا۔

جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

یہ حُبِ مال نہیں، حُبِ اعتدال ہے۔ (انفاس عیسیٰ، ص ۱۹۰)

ایک صاحب نے لکھا کہ جب میں پیسے خرچ کرتا ہوں تو دل میں گرانی ہوتی ہے اور خرچ کرتے ہوئے یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں بالکل ہی نادار نہ ہو جاؤں اور پھر قرض لینا پڑ جائے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حقوق واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ یہ حُبِ مال نہیں بلکہ حُبِ اعتدال ہے، کیونکہ جب حقوق واجبہ میں کوتاہی نہیں ہو رہی ہے تو پھر جو مقصود تھا وہ حاصل ہے، وہ حُبِ مال جو مذموم ہے اور جو بیماری ہے اور گناہ ہے، وہ اس میں حاصل نہ ہوا، اس لئے یہ مذموم نہیں۔ البتہ پھر بھی آدمی کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی محبت رفتہ رفتہ آدمی کو گناہ میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



مجلس نمبر ۶۹

ہر بخل مذموم نہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۶۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخل اور اس کا علاج

ہر بخل مذموم نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

ہر کام اللہ تعالیٰ کیلئے ہونا چاہئے

باطن کی جو بیماریاں انسان کے لئے مہلک ہوتی ہیں، ان کا بیان چل رہا ہے، ان بیماریوں میں سے ایک بیماری ''بخل'' ہے جس کی تھوڑی سی تفصیل گزشتہ کل عرض کی تھی۔ اسی سلسلے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد ہے کہ:

> مَن اعطیٰ لِلّٰہ ومنع لِلّٰہ فقد استکمل الایمان
>
> اس میں ''اعطاء'' اور ''منع'' دونوں کے ساتھ ''لِلّٰہ'' کی قید ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں اور نہ بخل مطلقاً مذموم ہے بلکہ اگر خدا کے لئے ہوں تو دونوں محمود ورنہ دونوں مذموم، غرض اخلاق سب فطری و جبلی ہیں اور درجہ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے اور نہ محمود بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے۔
>
> (انفاس عیسیٰ، ص ۱۹۰)

''بخل'' مطلقاً مذموم نہیں

''بخل'' کے معنی ہیں ''مال کو خرچ کرنے سے روکنا'' اس کے مقابلے میں سخاوت ہے، اس کے معنی ہیں ''کھلے دل سے مال خرچ کرنا اور دل تنگ نہ کرنا'' اس کو سخاوت کہتے ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بخل مذموم ہے یعنی بُری بات ہے اور سخاوت اچھی بات ہے اور قابل تعریف بات ہے۔ اس ملفوظ

میں حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تصور درست نہیں، نہ تو ہمیشہ مال کو روکنا بُرا ہے اور نہ ہمیشہ مال کو خرچ کرنا اچھا ہے، بلکہ بعض اوقات مال کو روکنا بھی اچھا ہوتا ہے، قابل تعریف اور قابل ثواب ہوتا ہے اور بعض اوقات مال کا خرچ کرنا بھی اچھا نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے یا کم از کم مذموم ہوتا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مال خرچ کرو

دلیل میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی کہ آپ نے اس حدیث میں اصول بیان فرمادیا کہ:

من اعطی لِلّٰہ ومنع لِلّٰہ فقد استکمل الایمان

(ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب نمر ۶۱)

حدیث میں اور الفاظ بھی ہیں مگر یہاں صرف انہی الفاظ کو پیش کرنا مقصود ہے، اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اللہ کے لئے دے اور اللہ کے لئے روکے، اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ یعنی جب دے رہا ہے تو اللہ کے لئے دے رہا ہے اور اگر روک رہا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے روک رہا ہے۔ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہاں بھی خرچ کر رہا ہے، چاہے وہ غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مند لوگوں کو صدقہ دے رہا ہو، زکوٰۃ دے رہا ہو، یا اپنے بیوی بچوں کا نفقہ ادا کر رہا ہو، یا ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کر رہا ہو، یا اپنے نفس پر خرچ کر رہا ہو، لیکن ان سب جگہوں پر خرچ کرنے میں اللہ جل شانہ کی رضا مقصود ہو، مثلاً اگر فقیر کو پیسے دے رہا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود

ہے، دکھاوا مقصود نہیں، بیوی بچوں پر خرچ کر رہا ہے تو یہ سوچ کر خرچ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق میرے ذمے وابستہ فرمائے ہیں، لہٰذا میں ان کے حقوق کی ادائیگی کا مکلّف ہوں اور میں اپنے اس فریضے کو ادا کر رہا ہوں، تو یہ خرچ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگیا اور "من أعطى لِلّٰہ" میں داخل ہے۔

اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

اسی طرح جو کچھ خود کھا رہا ہے، اس میں بھی اس کی یہ نیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نفس جو دیا ہے، یہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس نفس کا بھی میرے اوپر حق ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ان لنفسك عليك حقًا

تیرے نفس کا بھی تیرے اوپر حق ہے۔ اب اگر میں اس نفس کو نہیں کھلاؤں گا اور بھوک کی وجہ سے یہ مر جائے گا تو یہ خودکشی ہوگی اور حرام موت ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نفس کا مجھ پر حق رکھا ہے۔ لہٰذا میں جو کچھ اس نفس کو کھلا رہا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کھلا رہا ہوں۔ یہ سب "من اعطى لِلّٰہ" میں داخل ہے۔

بازار سے چیز خریدنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

اگر بازار میں کوئی چیز خرید رہا ہے تو بظاہر اپنے نفع کے لئے وہ چیز خرید رہا ہے، لیکن مآل کار یا تو وہ چیز اپنے نفس کے لئے خرید رہا ہوگا یا اپنے بیوی بچوں کے لئے خرید رہا ہوگا یا کسی محتاج اور ضرورت مند کو دینے کے لئے خرید رہا

ہوگا، ان تینوں باتوں میں کوئی ایک بات ضرور ہوگی اور ان تینوں باتوں میں سے ہر بات ایسی ہے کہ جس میں صحیح نیت کر لینے سے وہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین دیا ہے جو ''ہم خرما وہم ثواب ہے'' کہ کام تو اپنے لئے یا اپنے بیوی بچوں کے لئے کر رہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہ سب کام میرے لئے ہو رہا ہے اور ''من اعطی لِلّٰه'' میں داخل ہے۔

بیوی کے منہ میں لقمہ دینا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

اسی لئے حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حتى اللقمة التي ترفعها إلى في امرأتك وهي صدقة۔ (بخاری شریف، مناقب الانصار، باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: اللّٰهم لمض لا صحابی هجرتهم)

جو ایک لقمہ تم اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدقہ کے حکم میں ہے۔ یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، یہ مٹی کو سونا بنانے والا ہے، کھانا اپنے فائدہ کے لئے کھایا جا رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم یہ لکھ لیتے ہیں کہ یہ کھانا تم نے ہمارے لئے کھایا ہے لہٰذا تمہارے اس عمل کو بھی تمہارے نیک اعمال میں اور ثواب والے اعمال میں درج کر لیتے ہیں، آخرت میں جو نیکیوں کا حساب ہوگا تو یہ کھانا پینا بھی تمہارے نیک اعمال کے اکاؤنٹ میں داخل ہو چکا ہوگا۔

یہ روکنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

حدیث میں دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا "مَنَعَ لِلّٰہِ" اگر روکے تو اللہ تعالیٰ کے لئے روکے، یعنی ایک جگہ پر پیسے دینے کا موقع آیا لیکن پیسے نہیں دیے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے روک لیا۔ مثلاً مجمع عام میں کسی کام کے لئے چندہ ہو رہا تھا اور ہر شخص آگے بڑھ کر چندہ دے رہا تھا، تمہارے دل میں یہ خیال آیا کہ چندہ دینے کو دل تو نہیں چاہ رہا ہے لیکن سب لوگ تو بڑھ چڑھ کر دے رہے ہیں، اگر میں نہیں دوں گا تو ناک کٹ جائے گی اور مجمع کے اندر بدنامی ہوگی کہ سب لوگ تو دے رہے ہیں اور یہ کنجوس بیٹھا ہے، لوگ مجھے کنجوس اور بخیل کہیں گے، اس خیال کے آنے پر چندہ دینے کا ارادہ کرلیا اور جیب سے پیسے نکال لئے، پھر خیال آیا کہ اگر اس وقت میں چندہ دوں گا تو یہ دکھاوے کا چندہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوگا، اس طرح چندہ دینا تو جائز نہیں اور اس پر ثواب بھی نہیں، چنانچہ دوسرا خیال آنے کے بعد وہ پیسے واپس جیب میں رکھ لئے، اب یہ واپس رکھ لینا اور چندہ نہ دینا "مَنَعَ لِلّٰہِ" میں داخل ہے۔ اس لئے کہ یہ روکنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا، اس نے سوچا کہ چاہے دنیا مجھے بخیل کہے، چاہے کنجوس کہے، لیکن چونکہ اس وقت دینا جائز نہیں ہے، اس لئے میں نے روک لیا، لہٰذا یہ بھی "مَنَعَ لِلّٰہِ" ہوگیا۔

شادی بیاہ کے موقع پر دینا

آجکل شادی بیاہ کے موقع پر جو ہدیے اور تحفے دیے جاتے ہیں اور اس

میں باقاعدہ لکھت پڑھت ہوتی ہے کہ کس شخص نے کس کی شادی کے موقع پر کتنا دیا تھا، اب دوسرا شخص اس سے بڑھا کر دے یا برابر کر کے دے، یہ سب ''نیوتہ'' ہے جس کو قرآن کریم نے حرام کہا ہے، لہٰذا ایسے موقع پر مت دو۔ ہاں! اگر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ میرا بھائی ہے اور اس کے گھر میں خوشی ہے، میرے اندر سے دل میں یہ داعیہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں اس کو ہدیہ اور تحفہ پیش کروں ''سبحان اللہ'' بڑی اچھی بات ہے، تحفہ اور ہدیہ پیش کر دو، لیکن اگر ہدیہ اور تحفہ دینے کو دل تو نہیں چاہ رہا ہے، اس لئے کہ پیسے کی تنگی ہے یا اس سے کوئی خاص قریبی تعلق بھی نہیں ہے، مگر چونکہ اس شخص نے میری فلاں تقریب میں اتنے پیسے دیئے تھے، لہٰذا اس شخص کی تقریب میں مجھے دینا ضروری ہوگیا، یا یہ کہ اگر میں کوئی ہدیہ تحفہ نہیں دوں گا تو سارے معاشرے میں نکوں بن جاؤں گا اور سب لوگ یہ کہیں گے کہ یہ اتنا کنجوس آدمی ہے کہ چاہے کسی کی شادی بیاہ ہو یا کوئی تقریب ہو، مگر اس کی جیب سے پیسے نہیں نکلتے، یہ سوچ کر تحفہ یا ہدیہ دیا، ایسا ہدیہ تحفہ دینا حرام اور ناجائز ہے۔

یہ صورت ''مَنَعَ لِلّٰہ'' میں داخل ہے

اور اگر اس نے یہ سوچا کہ کوئی مجھے کنجوس کہتا ہے تو کہے، کوئی بخیل کہتا ہے تو کہے، کوئی مجھے غیر مہذب کہتا ہے تو کہے، کوئی مجھے ناشائستہ کہتا ہے تو کہے، مجھے تو اپنے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے میں نہیں دیتا۔ یہ نہ دینا ''مَنَعَ لِلّٰہ'' میں داخل ہے۔ یا اس شخص کو معلوم ہے کہ میں

اگر فلاں شخص کو پیسے دوں گا تو وہ اس کو ناجائز اور غلط کاموں میں استعمال کرے گا، ایسے شخص کو ہدیہ تحفہ یا پیسے دینا درست نہیں، یہ سوچ کر اس نے پیسے نہیں دیئے، یہ صورت بھی "مَنَعَ لِلّٰہ" میں داخل ہے۔

دوسروں کو دینا مشروع طریقے پر ہونا چاہئے

اس لئے اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ نہ تو دینا ہمیشہ اچھا ہے اور نہ ہی روکنا ہمیشہ بُرا ہے بلکہ اس کا دارومدار نیت اور حالات پر ہے، بعض اوقات دینا بُرا ہے جیسا کہ ابھی چند مثالیں پیش کیں اور بعض حالات میں روکنا ثواب ہے، اصل مدار اس پر ہے کہ دینا مشروع طریقے پر ہو رہا ہے یا نہیں؟ اور یہ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہا ہے یا نہیں؟ مشروع طریقے پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دینا شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ جہاں شریعت کے خلاف دیا جارہا ہے وہ دینا بیکار ہے۔ اور دیتے وقت نیت اللہ جل شانہٗ کو راضی کرنے کی ہو، دکھاوے اور نام ونمود کی نیت نہ ہو، جب دو شرطیں پائی جائیں گی تو دینا ثواب ہوگا اور جب یہی دونوں شرطیں روکنے میں پائی جائیں گی تو روکنا ثواب ہوگا۔

مال کی طرف میلان فطری ہے

حدیث میں فرمایا کہ جو شخص یہ کام کرلے اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ ایسے شخص کو اتنی بڑی بشارت یعنی تکمیل ایمان کی بشارت دی جارہی ہے۔ بہرحال! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں اور نہ بخل مطلقاً

مذموم ہے بلکہ اگر خدا کے لئے ہوں تو دونوں محمود اور قابل تعریف ہیں اور اگر خدا کے لئے نہ ہوں تو دونوں مذموم ہیں۔ غرض اخلاق سب فطری اور جبلی ہیں اور درجہ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے اور نہ محمود۔ جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ محض یہ بات کہ دل میں مال کی محبّت ہے یا جب ہاتھ سے پیسے جاتے ہیں تو دل میں تنگی پیدا ہوتی ہے، محض یہ باتیں انسان کی طبیعت کا حصّہ ہیں، اس لئے کہ فطری طور پر انسان کی طبیعت مال کی طرف مائل ہوتی ہے، ''مال'' کی تعریف ہی یہ ہے کہ ''مایمیل إلیه الطبع'' یعنی جس کی طرف طبیعت مائل ہو، لہٰذا مال کی طرف دل کا مائل ہونا فطرت کا ایک حصّہ ہے۔

مال کی محبّت کا صحیح استعمال اور غلط استعمال

اب اگر اس مال کی محبّت کو جائز طریقے سے استعمال کیا تو اس میں کچھ حرج نہیں، مثلاً مال کی محبّت میں تم نے حلال طریقے سے روزی کمانے کا اہتمام کیا اور اس میں اس بات کی بھی فکر کی کہ حلال طریقے سے جتنا زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اسی طرح جو تجارت، زراعت اور ملازمت وغیرہ ہے یہ سب مال کی محبت کی وجہ سے کر رہے ہو، چونکہ مال کی محبت کو تم نے ایک جائز اور مباح کام میں استعمال کیا تو یہ مال کی محبت بُری نہ ہوئی اور اس محبّت نے تمہارے اوپر کوئی بُرا اثر نہیں چھوڑا، لیکن اگر مال کی محبت کو تم نے ناجائز کاموں میں استعمال کیا کہ ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنا شروع کر دیا اور مواقع واجبہ پر خرچ کرنے سے مال کو روک دیا تو یہ مال کی محبّت کا

غلط استعمال ہوا۔ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ مال کی محبت اپنی ذات میں نہ محمود ہے اور نہ مذموم ہے، لیکن اگر اس محبت کو صحیح استعمال کرو گے تو ٹھیک ہوگی اور اگر غلط استعمال کرو گے تو غلط ہوگی۔ البتہ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس محبت کو ذرا کم رکھو، بالکل سرحد پر نہ کھڑے ہو جانا ورنہ اگلا قدم تمہیں گناہ کے اندر مبتلا کر دے گا، اس لئے اس مال کی محبت کو کم کرنے کی کوشش کرو۔

دوسروں کی چیزوں کا استعمال کب جائز ہے؟

ایک اور ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

> اگر دل گواہی دے کہ میرا بدون اذن کے کھانا اس شخص کو ناگوار نہ ہوگا بلکہ خوش ہوگا، وہاں بدون اذن کے بھی کھانا جائز ہے بلکہ چھین کر بھی کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ دوست سخی ہو بخیل نہ ہو، کیونکہ بخیل کو کسی سے محبت نہیں ہوتی، اگر ہوتی بھی ہے تو مال کے برابر نہیں، اس لئے بخیلوں کی اجازت بھی مشکوک ہے، ہاں سخی دوستوں سے اگر پوری بے تکلفی ہو تو چھین کر بھی کھانا جائز ہے۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۱۹۰)

اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی شخص کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا حلال نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ:

لا یحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفس منه

(مسند احمد، ج۵، ص۷۲)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ دوسرے شخص کی چیز کے استعمال کے لئے صرف اجازت ہی نہیں بلکہ خوش دلی سے اجازت دے تب تو استعمال کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

بلا اجازت بلکہ چھین کر کھانا بھی جائز ہے

حضرت والا اس ملفوظ میں فرما رہے ہیں کہ بعض لوگوں سے ایسی بے تکلفی کا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں سو فیصد پکا یقین ہوتا ہے کہ اگر میں اس کی کوئی چیز اٹھا کر کھالوں گا تو اس کو ناگوار تو کجا بلکہ یہ خوش ہوگا، ایسی صورت میں صریح لفظوں میں اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ یہ شخص خوش ہوگا، بلکہ ایسی صورت میں چھین کر کھانا بھی جائز ہے، مثلاً وہ شخص کوئی چیز کھا رہا ہے، آپ نے جھپٹا مار کر اس سے وہ چیز چھین کر کھالی تو یہ بھی جائز ہے، اس لئے کہ چھیننے سے وہ دوست ناراض کیا ہوتا بلکہ اور خوش ہوگا اور اس کو راحت ہوگی، بلکہ ہوسکتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے وہ روکنے کی بھی کوشش کرے، لیکن وہ دوست سے راضی اور خوش ہوگا کہ اگر یہ چیز میرا دوست کھالے تو اچھا ہوگا، جب یہ یقین ہو تو چھین کر بھی لے لو تو بھی کوئی حرج نہیں۔

خوش دلی کا یقین ہونا ضروری ہے

لیکن خوش دلی کا یقین واقعی ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ اپنی طرف سے فرض

کر کے بیٹھ گئے کہ ہمارے کھانے سے اس کو خوش ہونا چاہئے، لہٰذا میں کھاؤں گا تو میرے لئے یہ کھانا جائز ہوگا، یہ کافی نہیں، بلکہ اس کے سابقہ طرز عمل سے یہ بات واضح ہو کہ میرے کھانے سے خوش ہوتا ہے، تب تو اس کی چیز چھین کر کھالو۔

حضور ﷺ کا مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پینا

فقہاء کرام کو دیکھئے کہ وہ کس کس طرح احادیث نبویہ سے مسائل مستنبط فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہوا اور فتح کے بعد آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو مسجد حرام کے برابر میں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر تھا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں جا کر کچھ دیر آرام فرمایا۔ ان کے گھر میں ایک پانی کا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پیا۔

پانی کی ملکیت کا شرعی حکم

اس حدیث سے فقہاء کرام نے کم از کم دو درجن احکام مستنبط فرمائے ہیں، جب کوئی حدیث فقہاء کرام تک پہنچتی تھی تو فقہاء کرام خوردبین لگا کر بیٹھ جاتے اور یہ دیکھتے کہ اس حدیث سے امت کی رہنمائی کے لئے کیا کیا احکام نکل رہے ہیں۔ بہرحال! وہ مکان جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داخل

ہوئے وہ اُمّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا اور وہ مشکیزہ بھی انہی کا تھا، اور پانی کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک وہ پانی دریا یا سمندر یا بڑے تالاب میں ہے تو وہ پانی سب کے لئے مباح عام ہے کہ جو شخص جتنا چاہے پانی حاصل کرلے، لیکن اگر کوئی شخص وہاں سے پانی لے کر اپنے گھر میں لے آیا اور مشکیزے میں یا مٹکے میں رکھ لیا تو اب وہ پانی اس کی ملکیت ہوگیا، اب وہ اس پانی کو فروخت بھی کرسکتا ہے، خود بھی استعمال کرسکتا ہے، دوسرے کو ہدیۃً اور تحفۃً بھی دے سکتا ہے اور دوسرے کو حلال نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر وہ پانی پیئے، یہ شرعی حکم ہے۔

آپ کیلئے بلا اجازت پانی پینا جائز تھا

چنانچہ فقہاء کرام نے اس حدیث میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ مشکیزہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اجازت کے بغیر اس مشکیزے سے پانی پی لیا، یہ پانی پینا آپ کے لئے کیسے جائز ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بغیر اجازت آپ کے لئے پینا اس لئے جائز ہوا کہ اگرچہ صریح لفظوں میں تو اجازت آپ نے ان سے نہیں لی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اگر میں اُمّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی کوئی بھی چیز استعمال کروں گا تو وہ اپنے استعمال کرنے سے بھی زیادہ خوش ہوں گی، اس وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کی اجازت کے بغیر ان کے مشکیزے سے پانی پینا جائز ہوگیا۔

قوم کی کوڑی کو پیشاب کیلئے استعمال کرنا

اور سنئے! حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ سے گزر رہے تھے، وہاں پر اس قوم کا کوڑا دان تھا، لوگ اپنے گھروں کا کوڑا وہاں ڈالا کرتے تھے، اس کوڑے کے ڈھیر کے پاس جاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا۔فقہاء کرام نے یہاں بھی یہ سوال اٹھایا کہ یہ تو ایک قوم کی ''کوڑی'' تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اجازت کے بغیر اس کوڑی کو پیشاب کرنے کے لئے کیسے استعمال فرمایا؟ پھر اس کا جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے استعمال کیا کہ وہ کوڑی کی جگہ مباح عام تھی اور حدیث کے الفاظ "سباطة قوم" میں لفظ "سباطة" کی لفظ قوم کی طرف اضافت ''اضافت ملک'' نہیں بلکہ یہ اضافت بادنیٰ ملابست ہے اور بعض حضرات فقہاء نے یہ جواب دیا کہ وہ ''کوڑی'' اگرچہ قوم کی ملکیت تھی، مگر قوم کا کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کرنے سے ناگواری محسوس کرتا، لہٰذا قوم کی اجازت متعارفہ موجود تھی۔

سلام کے جواب کیلئے تیمّم کرنا

اور سنئے! ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں تشریف لے جارہے تھے، ایک شخص نے راستے میں آپ ﷺ کو سلام کیا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دینا چاہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وضو سے نہیں تھے، قریب ہی کسی شخص کے گھر کی

دیوار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر کی دیوار پر ہاتھ مار کر تیمم کیا اور پھر اس کے سلام کا جواب دیا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' چونکہ سلام کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا نام آ رہا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا نام بغیر وضو کے لیا جائے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کر کے پھر جواب دیا۔ ایسا کرنا واجب اور ضروری نہیں تھا، محض اللہ تعالیٰ کے نام کے ادب کی خاطر تیمم کر لیا۔ یہ بات یاد رکھئے کہ اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے تیمم کرلے تو اس کے لئے اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

تیمم کیلئے دوسرے کی دیوار کا استعمال

اس حدیث پر فقہاء کرام نے پھر سوال اٹھا دیا کہ یہ گھر تو کسی اور شخص کا تھا، اس شخص کے گھر کی دیوار کو اس کی اجازت کے بغیر تیمم کرنے کے لئے کیسے استعمال فرمایا؟ پھر جواب دیا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کو اس بات سے ناگواری ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر کی دیوار کے ذریعہ تیمم کرلیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت متعارفہ کی وجہ سے اس دیوار کو استعمال فرمایا۔

دوسروں کی چیزوں کا استعمال شریعت کی نظر میں

ان واقعات کو بیان کرنے سے دراصل یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلامی شریعت اور اسلامی فقہ دوسرے شخص کی چیز کو استعمال کرنے کے معاملے میں کتنی حساس ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہ سوال پیدا ہو

رہا ہے کہ آپ نے ان چیزوں کو مالک کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمایا۔ لیکن ہمارے یہاں معاملہ ایسا بنا ہوا ہے کہ حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں، خاص کر جو لوگ ساتھ ساتھ رہتے ہیں، ان میں یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی چیز استعمال کر لیتے ہیں اور اس کی فکر نہیں کہ دوسرے سے اجازت لی جائے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حدیث کی رو سے صرف اجازت بھی کافی نہیں جب تک کہ وہ اجازت خوش دلی کے ساتھ نہ ہو۔

بخیل کی اجازت مشکوک ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ''بخیل'' کی اجازت بھی مشکوک ہے، مثلاً آپ نے کسی بخیل سے اس کی چیز کو استعمال کرنے کی اجازت لے لی، جب اس نے اجازت دی تو اس وقت اس کے دل پر آرے چل گئے، اس نے سوچا کہ اگر اجازت نہیں دوں گا تو بُری بات ہوگی، اب اجازت دوں تو مشکل، نہ دوں تو مشکل، اس مصیبت میں آکر اس نے اجازت دیدی۔ اس بخیل کی یہ اجازت مشکوک ہے، معتبر نہیں، کیونکہ خوش دلی سے اجازت نہیں دی۔

بخیل سے حق واجب زبردستی لینا

لیکن یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے، وہ یہ کہ اگر ''بخیل'' زبردستی اپنے دل پر پتھر رکھ کر دباؤ میں آکر اجازت دیدے تو اس کے دو حال ہیں؛ ایک حال یہ ہے کہ اس ''بخیل'' نے دباؤ میں آکر اگر ایسی چیز کی اجازت دی

ہے جو اس بخیل کے ذمے حق واجب تھا اور وہ بخیل دیتا نہیں تھا، لیکن آپ نے زبردستی کر کے اس سے اجازت لے لی تو اس صورت میں اس چیز کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

مثلاً بخیل کی بیوی ہے، اس بیوی کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمے واجب ہے، اب وہ شوہر اپنے بخل کی وجہ سے بیوی کو نفقہ نہیں دیتا یا ضرورت سے کم دیتا ہے جس سے بیوی کا گزارہ نہیں ہوتا، اب بیوی نے مجمع کے اندر نفقہ کا مسئلہ اٹھا دیا اور مجمع کے دباؤ میں شوہر سے نفقہ کی اجازت حاصل کر لی، حالانکہ بیوی جانتی ہے کہ اجازت دیتے وقت اس کے دل پر سانپ لوٹ رہے ہوں گے، بہرحال! شوہر نے مجمع کے دباؤ میں آ کر اجازت دیدی، لیکن چونکہ بیوی کا حق شوہر کے ذمے واجب تھا، لہٰذا اگر اس شوہر نے زبردستی خوش دلی کے بغیر بھی اجازت دیدی تب بھی بیوی کیلئے نفقہ لینا حلال ہے بلکہ ایسی حالت میں بیوی کے لئے اجازت کے بغیر بھی حلال ہے۔

شوہر کے مال سے بیوی کو خرچہ لینا

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ''ہندہ'' تھیں، وہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ ''یا رسول اللہ! ان اباسفیان رجل مُسیک'' یعنی میرے شوہر پیسے روک روک کر استعمال کرنے کے عادی ہیں، بخیل آدمی ہیں، میرا گزارہ نہیں ہوتا، میری اولاد کو اور مجھے خرچ نہیں دیتے، کبھی کبھار وہ اپنا روپیہ پیسہ گھر میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو کیا میں

ان کے علم کے بغیر ان کے پیسوں میں سے لے لیا کروں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذی مایکفیکِ و ولدکِ بالمعروف

یعنی جتنا تمہارے اور تمہاری اولاد کے نفقہ کے لئے ضروری ہے، اتنا لے لیا کرو، اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کے بغیر بھی لینے کی اجازت دیدی، اس لئے کہ حق واجب تھا۔

غیر حق واجب وصول کرنا جائز نہیں

لیکن جہاں حق واجب نہ ہو وہاں زبردستی کر کے لینا جائز نہیں۔ بعض لوگ باقاعدہ اس کی پلاننگ کرتے ہیں کہ ہمارا فلاں دوست بڑا کنجوس ہے، لہٰذا ایک دن سب مل کر اس پر دھاوا بولو اور سب مل کر اس کو زچ کرو کہ وہ کسی طرح کچھ کھلانے پلانے پر آمادہ ہو جائے، یا ہدیہ تحفہ دینے پر آمادہ ہو جائے، آج اس سے ہر قیمت پر اس کے پیسے خرچ کروانے ہیں۔ چنانچہ سب نے اس کے گھر پر دھاوا بول دیا اور سب اس کے پیچھے پڑ گئے، اب وہ بیچارہ عاجز آ گیا اور ان کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، اب دل پر پتھر رکھ کر ان کی بات مان لی اور ان پر پیسے خرچ کر دیے اور ان کھلایا پلایا، مگر اس کے دل پر قیامت گزر گئی۔ اس صورت میں جو کچھ تم نے اس بخیل سے زبردستی کھایا، وہ سب حرام ہوا، اس لئے کہ وہ شخص اگرچہ بخیل تھا، لیکن اس کے ذمے تمہارے اوپر خرچ کرنا واجب نہیں تھا، تم نے اس کو اس کی مرضی کے خلاف اور اس کی خوش

دلی کے خلاف خرچ کرنے پر مجبور کیا، لہٰذا یہ خرچ کرنا لایحل مال امرءٍ مسلم اِلا بطیب نفس منہ کے اندر داخل ہوکر حرام ہو گیا۔

مدارس کیلئے چندہ کرنا

مدارس کا چندہ کرنا بھی اسی حدیث کے اندر داخل ہے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنی وجاہت سے فائدہ اٹھا کر چندہ کرتے ہیں، وہ چندہ مشکوک ہے، اس لئے کہ جس سے چندہ کیا جا رہا ہے، جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اتنے بڑے مولانا صاحب چندے کے لئے میری دکان پر تشریف لائے ہیں، اب دل تو چندہ دینے کو نہیں چاہ رہا ہے، مگر ان بڑے مولانا صاحب کو کیسے رد کروں۔ چنانچہ اس نے دل پر پتھر رکھ کر کچھ پیسے بطور چندہ کے ان کو دیدیے، لیکن یہ پیسے خوش دلی سے نہیں دیے اور ایسا چندہ جو خوش دلی سے نہ ہو، وہ لینا جائز نہیں۔

مجمع عام میں چندہ کرنا

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل مجمع عام میں چندہ کرنا مناسب نہیں، مجمع عام میں چندہ کرنے سے بکثرت لوگ محض سر سے بلا ٹالنے کے لئے اور لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لئے چندہ دیدیتے ہیں، اس دینے میں اخلاص بہت کم ہوتا ہے۔ آج کل کی قید اس لئے لگا دی کہ لوگ مجمع عام میں چندہ کے جواز پر ''غزوہ تبوک'' کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غزوہ تبوک'' کے موقع پر مسجد نبوی میں

عام چندہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن حضرات سے چندہ مانگا جا رہا تھا، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، جن کے بارے میں یہ یقین تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے چندہ دینا ہوگا تو دیں گے، اگر اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں دینا ہوگا تو نہیں دیں گے، آج ہم اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں۔ لہٰذا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجمع عام میں چندہ کرنے کی ریت اچھی نہیں ہے، اس میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ لوگوں کی خوش دلی کے بغیر چندہ وصول کر لیا گیا ہو، لہٰذا ایسا چندہ "لَا یَحِلُّ مال امرإمسلم الابطیب نفس منه" میں داخل ہونے کی بناء پر جائز نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

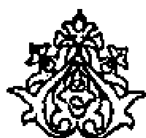
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مجلس نمبر ۷

سود لینے سے بخل بڑھتا ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۷۰

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

بخل اور اس کا علاج

سود لینے سے بخل بڑھتا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِيۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَأَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَأَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ!

سود لینے سے بخل بڑھتا ہے

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

سود لینے سے بخل بڑھتا ہے، کیونکہ سود لینے کا سبب ہی بخل ہے، جتنا سود لیتا ہے بخل اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنے تن پر بھی خرچ نہیں کر سکتا۔

(انفاس عیسیٰ: ص ۱۹۱)

''بخل'' کی خاصیت یہ ہے کہ جتنا مال بڑھتا جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ مال کے بڑھنے سے اس سے استغناء پیدا ہو، اس کی حرص اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور مال کی محبت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان کو کتنا ہی مال مل جائے وہ اس مال پر قناعت کرنے کے بجائے اور زیادہ مال حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اور قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ جب مال بڑھ جائے تو طبیعت میں استغناء پیدا ہو جائے لیکن استغناء بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی خرچ کرنے کا داعیہ زیادہ ہوتا ہے بلکہ مال کی محبّت اور بڑھ جاتی ہے۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو كان لابن آدم وا دياً من ذهب أحب أن يكون له وا ديان ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب۔

(صحيح بخاری، كتاب الرقاق، باب مايتقى من فتنة المال)

انسان کا پیٹ قبر کی مٹی بھریگی

یعنی اگر ابن آدم کو سونے کی بھری ایک وادی مل جائے تو وہ یہ چاہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں، اور اگر دو وادیاں سونے کی بھری مل جائیں تو اس کی خواہش ہوگی کہ تین مل جائیں۔ پھر آخر میں خوبصورت حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا کہ:

ولا یملأ جوف ابن آدم إلا التراب۔

یعنی آدم کا پیٹ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں بھر سکتی۔ انسان کا پیٹ اسی وقت بھرے گا جب اس کے اندر مٹی بھرے گی، جب تک انسان قناعت پیدا نہ کرے اور مال کی محبت اس کے دل میں ترقی کرتی چلی جائے تو اس کے نتیجے میں اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔

ایک سوداگر کا واقعہ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

آں شنیدہ استی کہ درصحرائے غور
رختِ سالار افتادہ اسپ طور
گفت چشم تنگ دنیادار را
یا قناعت پُرکند یا خاکِ گور

یعنی میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں کہ غور کے صحراء میں ایک بہت بڑے سوداگر

کا سامان خچر سے گرا پڑا تھا اور وہ خچر بھی مرا ہوا پڑا تھا اور خود وہ سوداگر بھی مرا ہوا تھا۔ اور وہ سامان جو بکھرا پڑا تھا، وہ زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیادار کی تنگ نگاہ کو صرف دو چیزیں بھر سکتی ہیں، یا قناعت یا قبر کی مٹی، تیسری کوئی چیز اس کو پُر نہیں کرسکتی۔ بہرحال! بخل کی خاصیت یہ ہے کہ جتنا مال بڑھتا چلا جاتا ہے، اتنی ہی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے اور اتنی ہی مال کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے اور خرچ کرنے میں اور زیادہ رکاوٹ پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

ایک بڑے سرمایہ دار کا قول

کراچی میں ایک بہت بڑے سرمایہ دار ہیں اور پاکستان کے مشہور دوچار سرمایہ داروں میں سے ایک ہیں، ارب پتی اور کھرب پتی ہوں گے، ایک دن وہ میرے پاس آئے تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت پیسہ دیا ہے، آپ نے بہت سے کارخانے بنائے، فیکٹریاں لگائیں، سب کچھ کرلیا، اب کچھ کام نفع کی خاطر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کرلو، وہ یہ کہ تم ایک ایسا بینک قائم کرو جو سود کے بغیر کام کرے، تمہارے پاس چونکہ پیسہ ہے، اس لئے تم یہ کام کرسکتے ہو، وہ کہنے لگے کہ مولانا صاحب! وہ بینک پھر کیسے چلے گا؟ میں نے کہا کہ انشاء اللہ چلے گا، لیکن تم یہ سوچ کر قائم کرو کہ جو پیسہ تم نے اس بینک میں لگا دیا وہ گیا، جب اللہ کے فضل سے تمہارے پاس اربوں کھربوں روپیہ موجود ہے، تو اگر اس بینک کے قیام پر چند کروڑ روپے لگا دو گے تو کیا فرق پڑے گا اور چند کروڑ روپے لگا کر ان کو بھول جاؤ۔ کہنے لگے کہ

میں ان کو پھر بھول جاؤں؟ میں نے کہا کہ تم تو بھول جاؤ کہ وہ چند کروڑ روپے کہاں گئے، البتہ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اس میں نفع بھی عطا فرمادیں گے لیکن تم اس کو بھول جاؤ۔ وہ آخر میں کہنے لگے کہ مولانا صاحب! بات تو آپ صحیح کہتے ہو مگر ہاتھ کی کھجلی کو میں کیا کروں!!

غریب اور امیر کے خرچ کرنے میں فرق

یہ ہے مال کو بڑھانے کی کھجلی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ یہ "بخل" بھی پھر رفتہ رفتہ کھجلی کی شکل اختیار کرلیتا ہے، پھر انسان کے پاس کتنا ہی پیسہ آجائے مگر اسکی حرص نہیں مٹتی، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جتنا غریب آدمی دو پانچ روپے اطمینان اور خوش دلی سے چندہ دیتا ہے، وہ مالدار جس کے پاس اربوں کھربوں روپیہ ہے، وہ اتنی خوش دلی سے نہیں دیتا، حالانکہ اس مالدار کے پاس گنجائش زیادہ ہے اور اس غریب کے پاس گنجائش بالکل نہیں، یہ سب حبِ مال کا نتیجہ ہے۔

سود کی ذہنیت بخل پیدا کرتی ہے

اس "بخل" کا سب سے بڑا ذریعہ سود ہے، کیونکہ سود کا مطلب یہ ہے کہ کام کچھ نہ کرو اور نہ کوئی خطرہ مول لو اور پیسے کے اوپر پیسہ بناؤ۔ یہ بخیل کا کام ہے اور سود کی ذہنیت خود انسان کے اندر بخل پیدا کرتی ہے، دنیا میں جتنی سود خور قومیں گزری ہیں، سب سے زیادہ کنجوس بھی وہی قومیں ہیں، دنیا میں

سب سے زیادہ سود خور قوم "یہودی" ہے۔ قرآن کریم نے یہودیوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰى وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔

(سورۂ نساء: آیت ۱۶۱)

اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیتے تھے، حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی۔

آج بھی دنیا کا سارا سودی کاروبار ان یہودیوں کے ہاتھ میں ہے اور یہی سب سے زیادہ کنجوس قوم ہے اور ساری دنیا میں ان کی کنجوسی کی شہرت ہے۔

یہودی "شائی لاک" کا قصہ:

آپ نے "شائی لاک" کا قصہ سنا ہوگا، یہ روم کے بادشاہ کے زمانے کا قصہ ہے، ایک شخص یہودی تھا، اس کا نام "شائی لاک" تھا، ایک ضرورت مند اس کے پاس پیسے لینے آیا، شائی لاک نے کہا کہ میں سود پر قرض دوں گا، چنانچہ اس نے سود پر قرض دے دیا اور جتنا قرض دیا تھا، اس سے ڈیوڑھا سود لگا دیا اور اس سے کہا کہ اتنے دنوں کے اندر ادا کردینا۔ قرض لینے والا غریب آدمی تھا، وہ اپنے کھانے پینے کی ضرورت کے لئے قرض لے رہا تھا، جب وہ دن پورے ہوگئے اور ادائیگی کی تاریخ آگئی تو شائی لاک اس کے گھر پیسے وصول کرنے کے لئے پہنچ گیا۔ اس غریب نے کہا کہ میرے پاس تو اس وقت تھوڑے پیسے ہیں، چنانچہ اس نے اس کو کچھ پیسے دیدیے اور کہا کہ اور نہیں ہیں

ورنہ میں تمہیں دیدیتا، شائی لاک نے کہا کہ اچھا وہ سود اب ڈبل ہوگیا اور ادا کرنے کی تاریخ مقرر کردی۔ جب دوبارہ وہ تاریخ آئی تو شائی لاک پھر اس کے گھر پہنچ گیا، اس غریب نے کہا کہ تم نے تو سود ڈبل کر دیا، اب میں اس وقت اصل رقم تو دے سکتا ہوں مگر یہ سود کی ڈبل رقم نہیں دے سکتا، اس لئے اصل رقم لے لو، اس نے کہا کہ نہیں، میں تو پورا سود لوں گا اور اب میں تمہاری مدت نہیں بڑھاؤں گا، اس غریب نے کہا کہ میرے پاس ادا کرنے کے لئے رقم ہی نہیں ہے تو میں کیا کروں، شائی لاک نے کہا کہ میں ایک اور تاریخ مقرر کرتا ہوں، اگر اس تاریخ پر تم نے روپیہ ادا نہ کیا تو تمہارے جسم کا ایک پونڈ گوشت نکالوں گا اور اس کو کھاؤں گا اور پیسے الگ لوں گا، جب وہ تاریخ آ گئی اور وہ غریب سود ادا نہیں کرسکا تو شائی لاک اس کے گھر پر چھری چاقو لے کر پہنچ گیا۔

پیسے کے بدلے انسانی گوشت

وہ غریب آدمی پریشان ہوگیا اور کسی طرح بچتے بچاتے روم کے بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا اور بادشاہ سے کہا کہ شائی لاک میرا گوشت کاٹنے آرہا ہے، چنانچہ اس کے بعد عدالت میں مقدمہ چلا اور اس کو جیل میں بند کر دیا گیا، شائی لاک نے عدالت میں بڑی زوردار تقریر کی، اور اس تقریر میں اس نے کہا کہ میرے ساتھ آپ انصاف کریں، یہ شخص اتنے دنوں سے ٹال مٹول کر رہا ہے اور میرے پیسے نہیں دے رہا ہے، اور پھر اس نے آخر میں خود اپنی رضا

مندی سے اپنا گوشت کاٹنے کے لئے کہا تھا، اب عدالت کو چاہئے کہ وہ مجھے اس بات کی ڈگری دے کہ اس کا گوشت نکال لوں، اس لئے کہ انصاف کا تقاضہ یہی ہے۔

وہ غریب مقروض تو جیل میں بند تھا اور عدالت میں نہیں آسکتا تھا، اس لئے اس کی بیوی عدالت میں آئی اور اس نے عدالت میں تقریر کی، اس تقریر میں اس نے کہا کہ شائی لاک یہ کہتا ہے کہ انصاف دلاؤ اور اس کے کہنے کے مطابق انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ مقروض کا گوشت نکال کر کھایا جائے، میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ اگر ہم سب لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے لگیں تو ہمارا کہاں ٹھکانہ ہوگا، اس دنیا میں انصاف ہی سب کچھ نہیں، بلکہ ایک چیز رحم بھی ہے، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں گے تو تب ہم نجات پائیں گے، اس کے بغیر نجات نہیں پائیں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس غریب کے حق میں رحم کی بنیاد پر فیصلہ دیا۔ بہرحال! شائی لاک کی طرح یہودی قوم ساری دنیا میں بخیل مشہور ہے۔

ہندو بنیئے سود خور قوم

دنیا میں دوسری سب سے بڑی سود خود قوم "ہندو" ہے۔ ہندو "بنیا" مشہور ہے، ہندوستان کے ہندو تاجر کو "بنیا" کہا جاتا ہے، ان کو "مہاجن" بھی کہتے ہیں، یہ سود لے کر کھانے والے ہیں، ان کی کنجوی ضرب المثل ہے، ان کے ہاں ایک ایک پائی کا حساب وکتاب ہوتا ہے۔

ہندی کی ایک ضرب المثل

ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندی زبان کی ایک بڑے مزے کی ''ضرب المثل'' سنایا کرتے تھے، وہ یہ کہ:

لالہ جی گئے پاؤنے، چار دن میں آئے، لالہ جی کے گھر
آگئے چار پاؤنے، لالہ جی نہ گئے نہ آئے۔

ہندو بنیے کو ''لالہ جی'' کہا جاتا تھا، ''پاؤنے'' کے معنی ہیں ''مہمان'' یعنی ''لالہ جی'' کسی کے گھر مہمان بن کر چلے گئے اور چار دن اس کے گھر قیام فرمایا اور چار دن کے بعد واپس آئے، اس طرح چار دن کے کھانے کا خرچ بچ گیا، پھر ایک دن لالہ جی کے گھر چار مہمان آگئے، اب جو کچھ چار دن کے کھانے کی بچت ہوئی تھی وہ برابر ہوگئی، اس لئے لالہ جی نہ گئے اور نہ آئے۔ بہرحال! ان کے اس طرح کنجوسی کا حساب و کتاب جاری رہتا ہے کہ ایک پائی نہ جانے پائے، درحقیقت یہ سود کی ذہنیت یہ کنجوسی پیدا کرتی ہے۔

مالیاتی گناہ بخل پیدا کرتے ہیں

یاد رکھئے! جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پرواہ نہیں، اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کے پاس جتنا پیسہ بڑھتا چلا جائے گا، اتنا ہی اس کا بخل بڑھتا چلا جائے گا، اتنی ہی اس کی حرص بڑھے گی اور پیسے خرچ کرتے ہوئے اس کی اتنی ہی جان نکلے گی۔ غریب آدمی اطمینان

سے پیسہ خرچ کر دے گا لیکن یہ بڑا سرمایہ دار جو سرمایہ پر سانپ بن کر بیٹھا ہے، وہ خرچ کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ یاد رکھئے! یہ مالیاتی گناہ بخل پیدا کرتے ہیں اور بخل کے نتیجے میں "حبِّ مال" اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

یہ دعا کثرت سے کریں

اس سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہے، وہ یہ کہ آدمی اپنے آپ کو شریعت کا تابع بنائے اور قناعت دل میں پیدا کرے اور یہ دعا کرے کہ اے اللہ! جائز اور حلال طریقے سے آپ مجھے جتنا عطا فرمادیں گے، میرے لئے وہی نعمت ہے اور یہ دعا کرے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاخْلُفْ عَلٰی كُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ مِنْكَ بِخَیْرٍ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک لفظ پر آدمی قربان ہو جائے، فرمایا کہ اے اللہ! جو کچھ رزق آپ نے عطا فرمایا ہے، مجھے اس پر قناعت عطا فرمائیے اور مجھے اس میں برکت دیدیجئے، جب تھوڑے مال میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمادیتے ہیں تو پھر وہ لاکھوں کروڑوں سے زیادہ فائدہ پہنچادیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں برکت نہ ہو تو پھر کروڑوں اور لاکھوں بھی بیکار ہو جاتے ہیں، ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ آگے فرمایا کہ اے اللہ! جو مال میرے پاس موجود نہیں ہے، اس کے بدلے میں مجھے وہ چیز عطا فرما جو آپ کے نزدیک خیر ہو، یعنی میں کتنا بھی غور و فکر کرلوں کہ میرے لئے کیا چیز

اچھی ہے اور کیا چیز بُری ہے، لیکن میری محدود فکر اور میری محدود سوچ کبھی بھی حقیقت حال تک پہنچنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، لہٰذا اے اللہ! یہ معاملہ میں آپ کے اوپر چھوڑتا ہوں، یا اللہ! جو چیز میرے پاس نہیں ہے، اس کے بدلے میں مجھے وہ چیز عطا فرما جو آپ کے نزدیک خیر ہو۔

حلال طریقے سے مال میں اضافے کی کوشش کرنا جائز ہے

لیکن یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ سے قناعت کی دعا تو کریں لیکن جائز اور حلال طریقے سے اس مال میں اضافے کی کوشش کرنا قناعت کے منافی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ترغیب بھی عطا فرمائی ہے، اگر حلال طریقے سے مال بڑھانا قناعت کے خلاف ہوتا تو آپ تجارت کی ترغیب نہ دیتے، اس سے پتہ چلا کہ حلال طریقے سے مال کو بڑھانے کی اجازت ہے۔ مگر یہ سوچتے ہوئے کہ جائز اور حلال طریقے سے اللہ تعالیٰ جتنا عطا فرمائیں گے وہ نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرکے استعمال کریں گے اور ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی فکر دل میں کبھی بھی پیدا نہیں کریں گے اور اس مال کی محبت کو دل پر غالب نہیں ہونے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

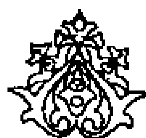
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مجلس نمبر ۱۷

اِسراف اور اس کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵

مجلس نمبر : ۷۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

اِسراف اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

''بخل'' کی ضد ''اِسراف''

گزشتہ تین دن سے ''بخل'' کا بیان چل رہا تھا، الحمدللہ! وہ مکمل ہوگیا۔

اب آگے حضرت نے ''اسراف'' کا عنوان قائم کیا ہے، یہ ''اسراف'' ''بخل'' کی ضد ہے، کیونکہ بخل کے معنی یہ ہیں کہ جہاں آدمی کو خرچ کرنا چاہئے، وہاں خرچ نہ کرے اور ''اسراف'' کے معنی یہ ہیں کہ جہاں خرچ نہ کرنا چاہئے، وہاں خرچ کرے اور دونوں منع ہیں اور ناجائز ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ''عِبادُالرحمٰن'' کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا
وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً۔ (الفرقان: ٦٧)

یعنی رحمان کے بندے وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں اور اعتدال کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ نہ تو انسان ''اسراف'' کے اندر مبتلا ہو اور نہ ہی ''بخل'' کے اندر مبتلا ہو۔

خرچ سے پہلے سوچو

''اسراف'' کے بیان میں سب سے پہلے حضرت والا کا ایک ملفوظ نقل فرمایا ہے جو حضرت والا نے اپنے کسی مرید کے خط کے جواب میں ''تربیت السالک'' میں تحریر فرمایا تھا۔ وہ ملفوظ یہ ہے کہ:

> خرچ کرنے سے قبل دو امر کا انتظام کرلیں، ایک یہ کہ پہلے سوچا کریں کہ اگر اس جگہ خرچ نہ کروں تو آیا کچھ ضرر ہے یا نہیں؟ اگر ضرر نہ ہو تو اس کو ترک کر دیں،

اور اگر ضرر معلوم ہوتا ہو تو کسی منتظم سے مشورہ کریں کہ
یہ خرچ خلافِ مصلحت اور نامناسب تو نہیں، وہ جو
بتلائے اس پر عمل کریں، ضرر سے مراد ضرر واقعی اور
حقیقی ہے جس کا معیار شریعت ہے، وہمی اور خیالی ضرر
مراد نہیں۔

مریض کے مطابق نسخہ

اس ملفوظ میں حضرت والا نے ''اسراف'' سے بچنے کا طریقہ لکھا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ طبیب اپنے زیرِ علاج مریض کا جائزہ لے کر اس کے حالات کے مناسب نسخہ تجویز کرتا ہے، چنانچہ اس ملفوظ میں بھی حضرت والا نے یہ فرمادیا کہ اگر کسی جگہ خرچ کرنے میں ضرر معلوم نہ ہو تو وہاں بھی کسی منتظم سے مشورہ کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملفوظ میں جو صاحب مخاطب تھے، وہ شاید بہت زیادہ فضول خرچی میں مبتلا ہوں گے اور ان کی رائے پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہوگا، اس لئے آپ نے یہ علاج تجویز فرمایا۔

ایسی صورت میں خرچ نہ کرے

ورنہ اصل بات یہ ہے کہ انسان خرچ کرنے سے پہلے سوچے کہ اگر خرچ نہ کروں تو کیا نقصان ہے، اگر خرچ نہ کرنے میں نقصان ہے تو پھر خرچ کرلے، لیکن اگر خرچ نہ کرنے میں کوئی نقصان نہیں تو پھر خرچ کرنے کی کیا ضرورت

ہے، وہ خرچ ضرورت سے زائد ہے اوراس کی کوئی ضرورت نہیں۔

نقصان کا فیصلہ کون کرے؟

لیکن اب سوال یہ ہے کہ کہاں خرچ نہ کرنے میں نقصان ہے اور کہاں نقصان نہیں؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا دو اور دو چار کر کے جواب دینا مشکل ہے، کسی بھی علم و فن میں جو قاعدے اور ضابطے ہوتے ہیں، وہ ایک حد تک کام دیتے ہیں، اس حد سے آگے پھر انسان کو اپنے مذاقِ سلیم سے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

خرچ کرنے میں فائدہ ہے یا نہیں؟

یہ تو ہے منفی طریقہ کہ خرچ کرنے سے پہلے یہ دیکھو کہ خرچ نہ کرنے میں نقصان ہے یا نہیں۔ ایک اس کے مقابلے میں مثبت طریقہ ہے، وہ یہ کہ خرچ کرتے وقت یہ دیکھو کہ خرچ کرنے میں فائدہ ہے یا نہیں؟ اگر خرچ کرنے میں فائدہ ہے تو خرچ کرلو، اگر فائدہ نہیں تو ترک کردو، اصل معیار یہ ہے۔ لہٰذا ''اسراف'' کے اصل معنی ہیں ''ایسا خرچ جس کا کچھ فائدہ نہ ہو'' فائدہ سے مراد عام ہے، چاہے وہ دین کا فائدہ ہو یا دنیا کا فائدہ ہو، اور دنیا کے فائدے سے بھی وہ فائدہ مراد ہے جو مشروع ہو اور جائز ہو، ناجائز فائدہ مراد نہیں۔ لہٰذا جس خرچ میں دین کا فائدہ ہو یا دنیا کا جائز اور مشروع فائدہ ہو، وہ ''اسراف'' میں داخل نہیں اور اگر کوئی ایسا خرچ ہے جس کا سرے سے کوئی فائدہ ہی نہیں یا

فائدہ ایسا ہے جس کا حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں، ایسا خرچ اسراف میں داخل ہے۔

یہ صورت ''اسراف'' نہیں

اسی تفصیل سے یہ اصول نکلتا ہے کہ بہت سے خرچ جن کو لوگ ''اسراف'' سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ اسراف نہیں ہوتے، مثلاً ایک آدمی اپنی حدود استطاعت میں رہتے ہوئے اپنے راحت اور آرام کے لئے یا اپنا دل خوش کرنے کے لئے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ پیسے خرچ کر کے ایک چیز خرید کر لے آتا ہے، مثلاً ایک چیز بازار میں دس روپے کی بھی مل رہی ہے اور ۱۵/روپے کی بھی مل رہی ہے اور ۲۰/روپے کی بھی مل رہی ہے اور وہی چیز سو روپے کی بھی مل رہی ہے، البتہ معیار اور درجات میں فرق ہے۔ اب ایک آدمی کو وہی چیز خریدنے کے لئے سو روپے خرچ کرنے کی استطاعت ہے اور اس کو وہ چیز خریدنے کے لئے کسی سے قرض لینے کی بھی ضرورت نہیں، لہٰذا وہ شخص اپنی راحت کے لئے دس روپے والی چیز کے بجائے سو روپے والی چیز خریدتا ہے تو یہ ''اسراف'' نہیں اور کوئی گناہ نہیں۔

سفر کیلئے سہولت کی سواری اختیار کرنا

اسی طرح مثلاً تمہیں سفر کر کے دوسرے شہر جانا ہے، اب تم اس کے لئے ریل گاڑی کی تھرڈ کلاس میں بھی سفر کر سکتے ہو اور سیکنڈ کلاس میں بھی سفر کر سکتے

ہو اور فرسٹ کلاس میں بھی کر سکتے ہو اور ایئر کنڈیشن میں بھی کر سکتے ہو اور ہوائی جہاز میں بھی کر سکتے ہو اور ان سب کے کرایوں میں بڑا فرق ہے۔ لیکن ایک شخص جو ائیر کنڈیشن کلاس میں سفر کرنے کی استطاعت رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں تو اپنی راحت کے لئے ایئر کنڈیشن کلاس میں سفر کروں گا تو یہ کوئی اسراف نہیں اور کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح کوئی شخص اپنا دل خوش کرنے کے لئے یا اپنے بیوی بچوں کا دل خوش کرنے کے لئے کچھ خرچ کر دے تو یہ اسراف میں داخل نہیں۔

رہائش میں تین درجے جائز ہیں

حضرت والا نے مکان کے سلسلے میں ایک اصول بیان فرمایا ہے جو اصول تمام چیزوں پر منطبق ہوتا ہے، فرمایا کہ مکان کے اندر چند درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ ہے ''رہائش'' یعنی آپ کچا سا مکان بنالیں یا صرف پتھروں کا ایک مکان بنالیں اور ٹین کی چھت ڈال دیں اور اس میں رہائش اختیار کرلیں، اس میں نہ پلستر کیا اور نہ رنگ و روغن، یہ رہائش کا پہلا درجہ ہے۔ رہائش کا دوسرا درجہ ہے ''آسائش'' یعنی آرام دہ رہائش، مثلاً ایک مکان بنوایا، اس کی چھت پکی ڈلوائی اور سونے کے لئے چار پائی پر گدا بھی بچھایا تاکہ آرام اور سکون کی نیند آئے، یہ سب ''آسائش'' ہے اور جائز ہے، یہ دوسرا درجہ ہے۔ تیسرا درجہ ہے ''آرائش'' یعنی زینت اختیار کرنا مثلاً پختہ مکان بنوایا اور آرائش کے لئے اس پر پلستر بھی کرایا اور پھر رنگ و روغن بھی کرایا تاکہ

خوبصورت معلوم ہو اور باتھ روم میں ٹائل بھی لگوائے تاکہ خوبصورت معلوم ہو، یہ سب ''آرائش'' کے اندر داخل ہے، اگر حلال مال سے یہ سب کام کرایا ہے اور اس کام کے لئے کسی سے قرض وغیرہ نہیں لینا پڑا تو یہ بھی جائز ہے، یہ تینوں درجے جائز ہیں، یعنی رہائش جائز، آسائش جائز، آرائش جائز۔

چوتھا درجہ جائز نہیں

چوتھا درجہ ہے ''نمائش'' یعنی دکھلاوا، کوئی کام صرف اس لئے کیا جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بڑا آدمی ہے، یہ بڑا دولت مند ہے لوگ یہ کہیں کہ اس کا مکان بڑا شاندار ہے، اس کی گاڑی بڑی شاندار ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اس لئے اختیار کی ہیں تاکہ اپنی دولت کی نمائش کرے، یہ درجہ حرام ہے۔ اس ''نمائش'' میں فائدہ تو ہے، اس لئے کہ جب وہ اپنی دولت کی نمائش کرے گا تو لوگ اس کو بڑا سمجھیں گے اور بڑا سمجھ کر اس کی تعظیم کریں گے اور اس کی عزت کریں گے اور اس کا حکم مانیں گے، لہٰذا اس ''نمائش'' کے اندر فائدہ تو ہے لیکن یہ فائدہ مشروع نہیں اور شریعت کے اندر معتبر نہیں۔ لہٰذا یہ فائدہ کالعدم ہے۔

اصل معیار ''مشروع فائدہ'' ہے

دیکھئے! ''رہائش'' فائدہ ہے، ''آسائش'' فائدہ ہے، ''آرائش'' فائدہ ہے، ان تینوں اغراض کی وجہ سے جو کچھ خرچ کیا جارہا ہے، وہ ''اسراف'' میں

داخل نہیں، لیکن نمائش میں فائدہ تو ہے مگر وہ فائدہ مشروع نہیں، اس لئے وہ ''اسراف'' میں داخل ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کام ایسا ہے جس میں کوئی فائدہ ہی نہیں، مثلاً پیسے اٹھا کر پھینک دیئے یا مثلاً ایک چیز مہنگے داموں میں خریدلی، اگر ذرا توجہ سے کام لیتا تو وہ چیز سستی مل جاتی لیکن اس نے وہی چیز خریدنے میں اپنی غفلت، بے پرواہی اور ناقدری سے زیادہ پیسے خرچ کر دیئے تو یہ اسراف ہوگیا۔

دو پیسوں کی تلاش کا واقعہ

ایک مرتبہ میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ لاہور گیا ہوا تھا، اس وقت میں چھوٹا بچہ تھا، لاہور میں میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی صاحب مرحوم رہتے تھے، وہاں لاہور میں کسی جگہ میں اور والد صاحب اور بھائی صاحب ہم تینوں پیدل جا رہے تھے، ایک جگہ لاہور میں ''کپورتھلہ ہاؤس'' کہلاتی تھی، رات کا وقت تھا، اندھیرا تھا، ایک جگہ پر خاردار تار لگے ہوئے تھے، آدمی بڑی مشکل سے وہاں سے نکلتا تھا۔ بڑے بھائی صاحب مرحوم جیب سے پیسے نکال رہے تھے کہ اس اندھیرے میں پیسے نکالتے ہوئے کوئی سکہ زمین پر گرگیا، اب اندھیرا بھی تھا، جلدی بھی تھی اور خاردار تار بھی لگے ہوئے تھے، اس لئے بھائی صاحب نے سوچا کہ کون اس سکے کو اندھیرے میں تلاش کرے، چنانچہ وہ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھنے لگے۔ حضرت والد صاحب نے بھائی سے پوچھا کہ کیا گرا؟ بھائی صاحب نے کہا کہ کچھ سکے گر گئے، والد

صاحب نے فرمایا کہ اس کو کیوں نہیں اٹھاتے؟ بھائی صاحب نے کہا کہ وہ صرف دو پیسے یا ایک آنہ تھا، والد صاحب نے فرمایا کہ دو پیسے تھے یا ایک آنہ تھا، پہلے تھوڑی دیر اس کو تلاش ضرور کرو، پھر اگر ملنے سے مایوسی ہو جائے تو خیر ہے، چھوڑ دو، لیکن تلاش ضرور کرو، چنانچہ والد صاحب نے کہیں سے ماچس منگوائی اور خود ہی ماچس جلائی اور پھر فرمایا کہ اب تلاش کرو، اب وہ دو پیسے تلاش کئے جا رہے ہیں۔

اجزاء قلیلہ کی قدر بھی ضروری ہے

پھر فرمایا کہ چاہے ایک پیسہ ہو یا دو پیسے ہوں، یہ اللہ جل شانہ کی نعمت ہے، اس کے بارے میں یہ سوچنا کہ یہ معمولی چیز ہے، گر گیا تو بس گر گیا، پھر اس کو اس طرح چھوڑ کر چلے جانا اللہ جل شانہ کی نعمت کی ناقدری ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ملفوظ میں فرمایا ہے کہ "جس نعمت کے اجزاء کثیرہ سے تم انتفاع کرتے ہو، اس کے اجزاء قلیلہ کی عزت کرنا تمہارے ذمے ضروری ہے۔ یعنی جس چیز کی بہت بڑی مقدار سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، اس چیز کی تھوڑی مقدار بھی اگر تمہارے پاس ہے تو اس کی بھی عزت کرو۔ اس لئے حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ جو پیسے گر گئے ہیں، چاہے وہ ایک آنہ ہے یا دو پیسے ہیں، اس کو تھوڑی دیر کے لئے تلاش ضرور کرو، اس پر تھوڑا وقت صرف کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری نہ ہو، بغیر تلاش کئے ہوئے چھوڑ کر چلے جانا "اسراف" اور ناقدری ہے۔ البتہ اگر تمہیں سخاوت

کرنی ہے تو کسی ضرورت مند کو دیدو، اس کے کام آ جائے گا، وہ اسراف نہ ہوگا بلکہ صدقہ ہوگا اور وہ پیسہ صحیح جگہ پر پہنچ جائے گا۔

فائدہ غیر مشروعہ میں خرچ

جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی قدر کرو گے اور اس پر شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور عطا فرمائیں گے اور اگر ناقدری کرو گے تو پھر وبال کا اور اس نعمت کے چھن جانے کا اندیشہ ہے۔ بہر حال پیسے گم ہونے پر تلاش نہ کرنا اس بات کی مثال ہوئی جہاں فائدے کے بغیر خرچ ہو اور پیسے ویسے ہی ضائع ہو گئے۔ اور ''نمائش'' اس صورت کی مثال ہے جس میں خرچ کرنے پر فائدہ تو ہے لیکن وہ فائدہ مشروع نہیں، شرعاً جائز نہیں، یا پیسے خرچ کر کے کوئی ایسی لذت حاصل کی جا رہی ہے جو جائز نہیں، اس میں خرچ سے فائدہ ہے لیکن فائدہ غیر مشروعہ ہے، لہٰذا وہ ''اسراف'' میں داخل ہے۔

''اسراف'' اور ''تبذیر'' میں فرق

علماء فرماتے ہیں کہ ''اِسراف'' اور ''تبذیر'' میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ''اِسراف'' عام ہے اور تبذیر خاص ہے، تبذیر صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب خرچ کا محل غیر مشروع ہو، یعنی ناجائز کام میں پیسہ خرچ کرنا ''تبذیر'' ہے، مثلاً فلم دیکھنے میں یا جوے میں پیسے خرچ کر دے تو یہ تبذیر ہے اور یہی صورتیں ''اِسراف'' میں بھی داخل ہیں، البتہ جہاں پیسہ ناجائز اور

حرام کام میں خرچ نہیں ہو رہا ہے لیکن بے فائدہ کام پر ہو رہا ہے تو اس صورت میں "اِسراف" تو ہے لیکن "تبذیر" نہیں۔ بہر حال! چونکہ "اِسراف" تبذیر کو بھی شامل ہے، اس لئے میں نے "اِسراف" کی تعریف یہ کردی کہ پیسے ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں فائدہ نہ ہو، یا فائدہ ہو لیکن ناجائز ہو۔

مجاہدہ کیا ہے؟

جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا تھا کہ جب کسی آدمی کی تربیت کی جاتی ہے تو اس کی جو اصل منزل ہے اور جہاں اس کو پہنچنا ہے، اس منزل تک پہنچنے سے پہلے اس کو تیار کیا جاتا ہے، اسی تیاری کا نام "مجاہدہ" ہے، مثلاً مقصود اصلی تو حرام سے بچنا ہے، لیکن اس مقصود اصلی تک پہنچنے کے لئے تمہیداً بعض اوقات کچھ جائز چیزیں بھی چھڑائی جاتی ہیں، یہ اس لئے چھڑائی جاتی ہیں تاکہ حرام سے بچنے کے لئے راستہ ہموار کیا جاسکے، اسی کو "مجاہدہ" کہتے ہیں اسی لئے مشائخ اپنے زیر تربیت افراد سے بعض اوقات کچھ جائز چیزیں بھی چھڑواتے ہیں۔ بہر حال! "اسراف" کی جو اصل ممنوع حد ہے، وہ تو اس وقت آتی جبکہ خرچ کرنے میں کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا، یا فائدہ ہوتا مگر وہ غیر مشروع ہوتا۔

خرچ نہ کرنے میں نقصان نہ ہو تو چھوڑ دو

لیکن تربیت کرنے کی غرض سے حضرت والا نے اپنے زیر تربیت افراد سے یہ کہدیا کہ خرچ کرنے سے پہلے یہ دیکھو کہ خرچ نہ کرنے میں ضرر ہے یا

نہیں؟ اگر خرچ نہ کرنے میں کوئی نقصان نہیں تو چھوڑ دو، خرچ مت کرو۔ کیونکہ یہ صورت ''سلب ضرورۃ عن الجانب المخالف'' اور ''اِمکان عام'' ہے۔ حالانکہ اگر غور کرو گے تو اس میں ایسی صورت نکل آئے گی جو جائز ہے، مثلاً یہ کہ خرچ نہ کرنے میں کوئی نقصان تو نہیں لیکن خرچ کرنے میں فائدہ ہے، یہاں دونوں باتیں جمع ہوگئیں، لہٰذا اس میں اِسراف کی جائز صورت بھی شامل ہوگئی لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت کی خاطر یہ حکم دیدیا کہ ''تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ اگر نہ خرچ کرنے میں نقصان نہ ہو تو بھی چھوڑ دو، خواہ اس خاص جگہ پر اصلاً خرچ کرنا جائز ہی کیوں نہ ہو۔''

خرچ سے پہلے کسی منتظم سے مشورہ

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگے ارشاد فرمایا کہ ''اگر ضرر معلوم ہوتا ہو تو کسی منتظم سے مشورہ کرو'' یعنی خرچ کرتے وقت یہ سوچو کہ اگر خرچ نہ کروں تو کوئی نقصان ہے یا نہیں؟ سوچنے پر پتہ چلا کہ اگر اس خاص موقع پر خرچ نہ کیا تو نقصان ہوگا تو اس صورت میں بھی خرچ کرنے سے پہلے کسی منتظم سے مشورہ کرو کہ یہ خرچ نامناسب اور خلاف مصلحت تو نہیں پھر وہ جو بتلائے، اس پر عمل کرو، خود اپنی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

یہ علاج ہر شخص کیلئے نہیں

البتہ یہ علاج ہر آدمی کے لئے نہیں ہے کہ ہر آدمی خرچ کرنے سے پہلے

یہ سوچے کہ خرچ نہ کرنے میں نقصان ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خرچ نہ کرنے میں نقصان ہے تو پھر بھی خرچ کرنے سے پہلے منتظم سے مشورہ کرے اور پھر خرچ کرے، یہ علاج ہر آدمی کے لئے نہیں ہے، بلکہ جو آدمی ضرورت سے زیادہ اسراف میں مبتلا ہے، اس کے لئے حضرت والاؒ نے یہ علاج تجویز فرمایا ہے۔

فائدہ اور عدم فائدہ کی تعیین شیخ سے کرائے

پھر آگے حضرت والاؒ نے یہ بھی فرمادیا کہ ''ضرر'' سے مراد حقیقی اور واقعی ''ضرر'' ہے جس کا معیار شریعت ہے، وہمی اور خیالی ضرر مراد نہیں۔ بہر حال! اصل حقیقت وہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دی، وہ یہ کہ بغیر فائدہ کے خرچ کرنا یا فائدہ غیر مشروعہ کے ساتھ خرچ کرنا ''اسراف'' ہے، البتہ یہ بات کہ کہاں فائدہ ہے اور کہاں فائدہ نہیں، اس کے بارے میں دو اور دو چار کی طرح کوئی اصول بتانا مشکل ہے، بعض مرتبہ آدمی یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہاں خرچ کرنے میں فائدہ ہے لیکن حقیقت میں فائدہ نہیں ہوتا، یہ وہ مقام ہے جہاں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے سامنے صورت حال بیان کر کے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ میں یہاں پر خرچ کروں یا خرچ نہ کروں؟ اگر قاعدہ اور ضابطہ بتانے سے کام چل جاتا تو پھر شیخ کی ضرورت ہی کیا تھی، بس ''اسراف'' کی تعریف بیان کر دی جاتی اور ''اسراف'' کے فوائد و قیود بیان کر دیے جاتے، ہر آدمی اس کو پڑھ کر اس پر عمل کر لیتا، لیکن ایسا نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ

نے قرآن کریم تنہا نازل نہیں فرمایا بلکہ قرآن کریم کے ساتھ پیغمبر بھی بھیجا، اس لئے کہ انسان صرف پڑھ کر ہر بات سمجھ نہیں سکتا جب تک کسی ہادی اور رہبر کی رہنمائی نہ ہو۔

رہبر اور رہنما کی ضرورت

حضرات صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت ملی اور تابعین کو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ ہدایت ملی، تبع تابعین کو تابعین کے ذریعہ ہدایت ملی، اسی طرح آج تک یہ سلسلہ چلا آرہا ہے، اس لئے کہ قاعدے اور ضابطے ایک حد تک ساتھ دیتے ہیں، اس سے آگے ان قاعدوں اور ضابطوں کو حالات پر منطبق کرنے کا عمل شیخ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی مقصد کے لئے شیخ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ یہاں پر خرچ کروں یا نہ کروں؟

وہ حقیقی ضرورت نہیں

آگے ایک اور ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

اِسراف کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ جب کوئی چیز خریدنا چاہو تو سوچ لو کہ ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ذہن میں ضرورت فوراً آجائے تو خریدلو اور اگر فوراً ضرورت ذہن میں نہ آئے تو نہ خریدو، کیونکہ جس ضرورت کو

آدھے گھنٹے تک سوچ سوچ کر پیدا کیا جائے وہ
ضرورت نہیں اور اگر دل میں بہت تقاضہ ہو اور
ضرورت معتد بہا سمجھ میں نہ آئے تو ایسی صورت میں
چیز خرید لو اور اطمینان سے بیٹھ کر سوچتے رہو، اگر
اسراف نہ ہونا محقق ہو جائے تو کھالو ورنہ خیرات کر
دو۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۱۹۱)

یعنی اگر ایک چیز کی ضرورت فوری طور پر سمجھ میں آجائے تو ٹھیک ہے، خرید لو، لیکن اب آدھے گھنٹے تک سوچ رہے ہیں کہ اس چیز کا کیا مصرف ہوسکتا ہے، اور پھر اس کا مصرف سمجھ میں آیا، تو سوچ سوچ کر چیز کا مصرف اور ضرورت نکالی تو حقیقت میں وہ ضرورت ہی نہیں۔ لیکن اگر ایک چیز کے خریدنے کا دل بہت چاہ رہا ہے اور پھر سوچا کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ تو سوچنے کے بعد بھی اس کی ضرورت سمجھ میں نہیں آئی کہ کیا ضرورت ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ چیز خرید لو اور پھر اطمینان سے بیٹھ کر سوچتے رہو، اگر ''اسراف'' نہ ہونا محقق ہو جائے تو کھالو ورنہ خیرات کر دو۔ اس لئے کہ اس وقت اگر نہ خریدی تو موقع نکل جائے گا، لہٰذا اس وقت خرید تو لو لیکن بعد میں سوچو کہ ضرورت کی چیز لی یا بغیر ضرورت کے چیز لے لی، اگر سوچنے کے بعد پتہ چلا کہ ضرورت ہے تو اس کو استعمال کرلو اور اگر ضرورت نہیں ہے تو اس چیز کو خیرات کر دو۔

بیوی بچوں کو خوش کرنے کیلئے خرچ کرنا

آگے اسی ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ:

اور بیوی کو کھلا دینا بھی خیرات ہی ہے اور اگر بیوی کا جی خوش کرنے کو بلاضرورت بھی کوئی چیز خرید لو تو وہ بھی اسراف نہیں، کیونکہ تطییب قلب زوجہ بھی مطلوب ہے، بشرطیکہ اس میں طاقت سے زیادہ قرض نہ کرے۔

(ایضاً)

یعنی بیوی کا دل خوش کرنے کے لئے بلاضرورت بھی کوئی چیز خریدنا اسراف نہیں، بیوی میں بچے بھی داخل ہیں، کیوں؟ اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ تطییب قلب زوجہ بھی مطلوب ہے۔ بات وہی ہے جو اوپر عرض کی کہ خرچ کرنے میں فائدہ ہونا چاہئے، اب یہ ضروری نہیں کہ اپنا ہی فائدہ ہو بلکہ دوسرے کا فائدہ بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ دوسرے کا دل خوش کرنا اور اس کی دلداری کرنا بھی فائدہ ہے، چاہے یہ دلداری بیوی کی ہو، بچوں کی ہو، ماں باپ کی ہو، بہن بھائیوں کی ہو، یہ بھی ایک معتدبہ فائدہ ہے، اس پر جو کچھ خرچ کیا جائے وہ بھی ''اسراف'' نہیں۔

استاذ کے اکرام میں ۵۲ قسم کے کھانے

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے استاذ حضرت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے، میں نے اپنے حضرت والاؒ سے سنا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ کے اکرام کے لئے باون قسم کے کھانے تیار کرائے، جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے دسترخوان پر باون کھانے دیکھے تو فرمایا کہ بھائی تم نے یہ کیا کرلیا؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ دل تو اب بھی نہیں بھرا، دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ اور تیار کراتا۔ اب دوسرا آدمی تو ان باون قسم کے کھانوں کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ ''اسراف ہے، لیکن حقیقت میں یہاں پر استاذ کا اکرام مقصود تھا اور یہ معلوم تھا کہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی بلکہ جو بچے گا وہ ضرور کسی اللہ کے بندے کے کام آئے گا، اگر خدانہ کرے ضائع ہوتا تو بیشک وہ ''اسراف'' تھا، لیکن وہاں تو اس بات کا یقین تھا کہ ضائع نہیں ہوگا۔ اور وہاں کوئی دکھاوا تو تھا نہیں کہ باون قسم کے کھانے لوگوں کو دکھانے کے لئے تیار کرائے ہوں بلکہ اپنی طبیعت کا تقاضہ تھا اور استاذ کی خدمت اور استاذ کا اکرام مقصود تھا، اس لئے اس میں کوئی اسراف نہیں تھا۔

نیت کے فرق سے گناہ اور ثواب

اگر یہی کام آدمی اس نیت سے کرے کہ تاریخ میں ریکارڈ ہو جائے کہ فلاں شخص نے ایسی دعوت کی تھی کہ اس میں باون قسم کے کھانے تھے تو اس صورت میں یہی کام ''اسراف'' بھی ہے اور حرام بھی ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر ہدیہ تحفہ دیا جاتا ہے، اگر یہ ہدیہ محبت میں دل کے تقاضے سے دیا کہ

یہ شخص میرا قریبی عزیز ہے، دل چاہتا ہے کہ میں اس کی خدمت کروں اور کچھ دے کر اپنی خوشی کا اظہار کروں تو یہ سنت پر عمل ہے اور اس پر بڑا اجر وثواب ہے اور یہ برکت کی چیز ہے، اور اگر یہی کام اس نیت سے کیا کہ اس ہدیہ کے دینے سے نام ہوگا کہ فلاں نے شادی کے موقع پر یہ تحفہ دیا تو یہی چیز اسراف ہے اور گناہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بخل سے بھی ہماری حفاظت فرمائے اور اسراف سے بھی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

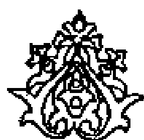
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



مجلس نمبر ۲۷

اسراف سے بچنے کی ترکیب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۷۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

اسراف اور اس کا علاج

اسراف سے بچنے کی ترکیب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

اس ملفوظ پر حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”اسراف

سے بچنے کی ترکیب" کا عنوان لگایا ہوا ہے، اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی مرید کو کچھ نصیحتیں فرمائی ہیں، وہ نصیحتیں اس ملفوظ میں درج ہیں، اگر ان نصیحتوں پر عمل کرلیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسراف سے نجات مل جائے گی اور چونکہ یہ نصیحتیں عام نوعیت کی ہیں اس لئے ان پر عمل کرنے سے دوسری خرابیوں سے بھی نجات مل جائے گی، چنانچہ پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ:

(۱) اہل اللہ کا مذہب رکھو، وضعدار لوگوں کا مت رکھو، رسم ورواج کے ذرا بھی مقید نہ ہو۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

اہل اللہ کی وضع اختیار کرو

اللہ تعالیٰ نے مباحات کا دائرہ بہت وسیع رکھا ہے، لیکن ان مباحات میں کچھ مباحات ایسے ہیں جن کو ہر دور کے اہل اللہ اختیار کرلیتے ہیں، پھر ان مباحاث کے اختیار کرنے میں برکت ہوتی ہے، البتہ یہ بات نہیں ہے کہ ان مباحات کے خلاف کرنے میں گناہ ہے اور نہ ہی اہل اللہ کے اختیار کئے ہوئے طریقے کا مسنون ہونا ضروری ہے، مثلاً "لباس" ہے، لباس کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے "مباحات" کا دائرہ بہت وسیع رکھا ہے، کسی خاص لباس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں پابند نہیں کیا کہ یہ لباس پہنو، شریعت نے ہم پر ایسی پابندی نہیں لگائی۔

رسم اور فیشن کے مقید مت بنو

اب ایک "لباس" وہ ہے جس کو اس دور کے علماء نے اور اہل اللہ نے

اختیار کیا ہوا ہے اور ایک لباس وہ ہے جس کو عام لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے، جو لباس عام لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے وہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ وہ بھی مباحات کے اندر داخل ہے۔ مثلاً کسی خاص قسم کے لباس کا ایک فیشن چلا ہوا ہے، جس میں کوئی اور محظور شرعی نہیں ہے، مثلاً شلوار قمیص کا سوٹ اور اس پر واسکٹ پہنتے ہیں، اس کا فیشن چلا ہوا ہے، یہ کوئی گناہ اور ناجائز نہیں ہے بلکہ یہ بھی مباحات میں داخل ہے۔ اور جو لباس علماء کرام، بزرگان دین اور اہل اللہ نے اختیار کیا ہوا ہے، وہ بھی مباحات میں ہے، لیکن تم اس بات کی کوشش کرو کہ اہل اللہ کا طریقہ اختیار کرو اور وضع دار لوگوں کا مذہب اور طریقہ اختیار مت کرو۔ "وضع دار" سے مراد ہیں "فیشن والے" اور رسم و رواج کے مقید نہ بنو، یعنی یہ مت دیکھو کہ آج کل تو ایسے لباس کا فیشن چل رہا ہے، یہ لباس پہننا چاہئے اور فلاں لباس آؤٹ آف فیشن ہوگیا ہے، اس لئے اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔

بزرگوں کے لباس کی نقل کرنا

اب یہاں چند باتیں سمجھنے کی ہیں جس میں ہمارے یہاں افراط اور تفریط پائی جاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو لوگ اہل اللہ کے لباس کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً اہل اللہ کی دوپلی ٹوپی دیکھ کر یا ان کی گول ٹوپی دیکھ کر ان کی نقل کرتے ہیں، یا اہل اللہ کا سلیم شاہی جوتا دیکھ کر اس کی نقل کرتے ہیں یا اہل اللہ کے کرتے جیسا کرتا پہننے کی کوشش کرتے ہیں، خاص طور پر جب کوئی شخص نیا نیا دین کے قریب آتا ہے تو وہ بزرگوں کی نقل اتارنے کی

کوشش کرتا ہے۔

اب لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بزرگوں کے لباس پوشاک کی نقل کرنے اور اس کا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپلی ٹوپی پہنی تھی؟ کیا آپ نے ایسا جوتا اور ایسی قمیص اور ایسی شلوار پہنی تھی؟ قمیص کے بارے میں تو اتنا کہہ سکتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص پہنی تھی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص ہماری قمیص سے مختلف تھی، ہماری قمیص اونچی ہوتی ہے، آپ ﷺ کی قمیص نیچی ہوتی تھی، اسی طرح شلوار پہننا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، البتہ شلوار کو پسند کرنا ثابت ہے، لیکن یہ ٹوپی اور جوتا پہننا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، یہ صدری اور یہ واسکٹ پہننا ثابت نہیں، لہٰذا لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب یہ چیزیں پہننا سنت نہیں ہے تو پھر لوگ ان کی طرف کیوں اتنا التفات کرتے ہیں اور ان کے پہننے کا اتنا اہتمام کیوں کرتے ہیں؟

اس کو سنت سمجھنا غلط ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اہتمام اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان چیزوں کو پہننا سنت ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دوپلی ٹوپی یا پانچ کلی کی ٹوپی اس نیت سے پہنے کہ یہ سنت ہے تو اس کا پہننا بدعت اور گناہ ہوگا، بلکہ یہ اہتمام اس وجہ سے ہے کہ ہر دور کے صلحاء اور علماء جو لباس اختیار کرتے ہیں، اس کے پہننے میں فائدہ ہے، وہ فائدہ یہ ہے کہ ایسا لباس پہننے کے نتیجے میں ان سے قرب ہوتا

ہے اور ان سے مشابہت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ فال نیک ہوتی ہے کہ جب ہم نے ان کا لباس اختیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اخلاق اور ان کی سیرت اپنانے کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا اس لباس کو سنت سمجھ کر اختیار کرنا تو غلط ہے اور اس کو ضروری سمجھ کر اختیار کرنا تو بہت ہی غلط ہے۔

حافظ محمد احمد صاحبؒ کا واقعہ

مثلاً ہمارے بزرگوں نے اس کا اہتمام کیا کہ جب بھی جوتا پہنیں گے تو سلیم شاہی پہنیں گے۔ حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد تھے، اس زمانے میں ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی اور برطانیہ کی طرف سے حکمران مقرر ہوتا تھا، اس کو ''وائسرائے'' کہا جاتا تھا، اس نے سرکاری اعزاز کے طور پر حافظ محمد احمد صاحبؒ کو ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا تھا۔ ایک مرتبہ اس وائسرائے نے حضرت والا کو ملاقات کے لئے دہلی بلایا، اب حاکم وقت نے اعزاز کے ساتھ بلایا تھا، اس لئے آپ ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، جب اس کے محل میں داخل ہونے لگے تو دروازے پر جو جنٹلمین دربان تھا، اس نے آپ کو روک لیا اور کہا کہ یہ جوتا جو آپ پہنے ہوئے ہیں، اس کو پہن کر اندر نہیں جاسکتے۔ آپ اس وقت دھوڑی کا جوتہ پہنے ہوئے تھے، آج کل سلیم شاہی ناگرا جو رائج ہے، یہ تو بہت نازک قسم کا ہوتا ہے، وہ دھوڑی کا جوتہ بہت موٹا ہوتا تھا۔ بہرحال! اس نے کہا کہ آپ وائسرائے سے ملنے کے لئے یہ جوتا پہن کر نہیں جاسکتے بلکہ آپ کو بوٹ پہننے پڑیں گے۔

مجھے ملاقات کا شوق نہیں

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے خود تو وائسرائے سے ملنے کی درخواست نہیں دی ہے کہ میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا مجھے ملاقات کرنے کی کوئی حاجت نہیں، البتہ انہوں نے ہی مجھے ملاقات کے لئے بلایا ہے، اب اگر وہ ملاقات کے لئے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ میں اپنی مرضی کا جوتا اتار دوں اور ان کی مرضی کا جوتا پہنوں تو پھر مجھے ان کی ملاقات کی یہ دعوت قبول نہیں، میں معذرت خواہ ہوں اور اگر وہ میری مرضی کے لباس میں مجھ سے ملنے کو تیار ہیں تو پھر میں تیار ہوں، میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دو، اگر نہیں ملنا چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں اور اپنا منہ موڑ لیا۔

اب اس دربان کی ساری جنٹلمینی دھری رہ گئی، اس نے سوچا کہ جب وائسرائے کو یہ اطلاع ملے گی کہ مولانا صاحب تشریف لائے تھے اور اس وجہ سے واپس چلے گئے تو میری اپنی کھچائی نہ ہو جائے، چنانچہ اس نے جا کر اندر اطلاع دی کہ وہ مولانا صاحب تو یہ کہہ رہے ہیں، وہ وائسرائے بھی ناراض ہوئے کہ تم نے مولانا کے ساتھ کیا حرکت کی، ان کو فوراً اندر بلالو، چنانچہ آپ کو فوراً اندر بلوالیا۔

آپ نے ایسا جوتا کیوں اختیار کیا؟

اب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا جوتا پہننے کا اہتمام کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ سنت تھا، لہٰذا کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ ایسا جوتا پہننا کونسا

فرض و واجب تھا، اگر اس وقت وہ دوسرے جوتے پہن کر چلے جاتے تو کوئی حرام اور گناہ نہیں تھا، لیکن دو وجہ سے اس جوتے کے پہننے کا اہتمام کیا، ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ نے اپنے علماء، اپنے اساتذہ، اپنے صلحاء و مشائخ کو ایسا جوتا پہنتے دیکھا تھا تو ان کی سی صورت اختیار کرنے کی کوشش کی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ بات وقار کے خلاف تھی کہ ایک طرف عالم کو بلایا جارہا ہے اور دوسری طرف شرطیں عائد کی جارہی ہیں کہ ایسا لباس اور ایسا جوتا پہن کر آؤ ورنہ داخل نہیں ہونے دیں گے، چونکہ یہ بات وقار کے خلاف تھی، اس لئے حضرت والا نے اس کو گوارہ نہیں فرمایا۔

کیا اہتمام بدعت ہے؟

اب بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ تم لوگ جو یہ اہتمام کرتے ہو کہ ایسا لباس ہو، ایسا کرتا ہو، ایسی شلوار ہو، ایسا جوتا ہو، ایسی ٹوپی ہو، یہ اہتمام کرنا بدعت ہے، کیونکہ سنت سے ایسا لباس، ایسا جوتا، ایسی ٹوپی ثابت نہیں اور تم ان چیزوں کا ایسا التزام کر رہے ہو جیسا التزام سنتوں کا اور واجبات کا ہوتا ہے، لہٰذا یہ "التزام مالا یلزم" ہے، اس لئے یہ بدعت ہے۔

محبوب کی شباہت

یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ اس لباس کا اور اس جوتے کا اور اس ٹوپی کا سنت یا واجب ہونے کی وجہ سے التزام نہیں کیا جارہا ہے بلکہ اس لئے التزام کیا جارہا ہے کہ یہ ہمارے بزرگ، ہمارے اساتذہ اور ہمارے مشائخ کا

طریقہ ہے، اگر ہم ان کا طریقہ اختیار کریں گے تو ان کی صورت بنانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری سیرت بھی ان جیسی بنادیں گے ۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لیکر آیا ہوں
حقیقت اسکو تو کر دے میں صورت لیکر آیا ہوں

بزرگوں کا لباس اختیار کرنے سے یہ مشابہت مقصود ہوتی ہے اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔

التزام کرنا بدعت ہے

دوسری طرف بعض لوگوں نے واقعۃً ایسا سمجھ لیا ہے کہ یہ ہیئت اور یہ لباس اختیار کرنا فرض وواجب ہے یا کم از کم سنت مؤکدہ تو ضرور ہے، اگر کوئی شخص اس لباس اور اس ہیئت سے انحراف کرے تو اس پر نکیر کی جاتی ہے، ملامت کی جاتی ہے کہ اس نے یہ لباس کیوں اختیار نہیں کیا، یہ اہتمام اور التزام واقعۃً اس ہیئت اور لباس کو بدعت بنا دیتا ہے، مثلاً یہ نکیر کرنا کہ فلاں شخص نے پنچ گوشہ ٹوپی کیوں نہیں پہنی؟ اس نے فلاں قسم کا جوتا کیوں نہیں پہنا؟ اس نے فلاں طرز کا لباس کیوں نہیں پہنا؟ لہذا جب اس لباس اور اس ہیئت کے ترک پر اس طرح کی نکیر ہونے لگے جس طرح فرائض وواجبات کے ترک پر نکیر ہوتی ہے تو یہی لباس اور ہیئت بدعت بن جائے گا، بعض اوقات یہ بات ہمارے طبقے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اصل بات تو وہاں سے چلی تھی کہ اہل اللہ کا لباس اختیار کرو، اس میں برکت ہے، لیکن آگے چل کر اس لباس کو اتنی اہمیت دیدی کہ وہ فرائض وواجبات کا درجہ اختیار کر گیا، اس وجہ سے وہ لباس بدعت بن

گیا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے

ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی عجیب بات فرمایا کرتے تھے، اور یہ بات ویسی ہی نہیں فرمائی بلکہ پہلے علماء کی کئی مجلسوں میں اس کی تصدیق کرائی اور ان علماء کے سامنے آپ نے فرمایا کہ میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے، آپ حضرات سوچ کر بتائیں کہ وہ بات صحیح ہے یا غلط ہے؟ جب آٹھ دس علماء کی مجلسوں میں اس کی تصدیق ہوگئی کہ یہ بات بالکل صحیح ہے، اس کے بعد اس بات کو بطور قاعدہ کے آپ نے لوگوں کے سامنے بیان فرمایا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:

''غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے''

یعنی جس کام کو شریعت نے منکر اور حرام اور ناجائز قرار نہیں دیا، اگر کوئی شخص وہ کام کر رہا ہے تو اس پر طعن وتشنیع کرنا اور اس کو بُرا بھلا کہنا خود منکر ہے اور قابل ترک ہے۔

زیر تربیت افراد کا معاملہ الگ ہے

یہ قاعدہ جو بیان کیا جا رہا ہے وہ عام انسانوں کے ساتھ طرز عمل کا بیان کیا جا رہا ہے، جہاں تک ان افراد کا تعلق ہے جو انسان کے زیر تربیت ہیں، جیسے استاذ کے لئے شاگرد، شیخ کے لئے مرید اور باپ کے لئے اولاد، ان کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے، کیونکہ بعض اوقات ان کو مستحبات کا بھی

پابند کیا جاتا ہے اور ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ ان مستحبات کو ادا کرو اور پھر ان مستحبات کے ترک پر نکیر بھی کی جاتی ہے۔ چونکہ ان افراد کو مستحبات کے پابند بنانے کا مقصد ان کی تربیت ہے تاکہ ان کو مستحبات کے ادا کرنے کی عادت پڑے، لہٰذا زیر تربیت افراد اس قاعدے کے اندر داخل نہیں، مثلاً اگر کسی شاگرد پر یا مرید پر یا اپنی اولاد پر کسی مستحب کے ترک پر نکیر ہو رہی ہے تو یہ نکیر کرنا درست ہے۔

کیا تم خدا ہو؟

لیکن عام آدمی جو تمہارے زیر تربیت نہیں، اس کے بارے میں آپ یہ چاہیں کہ یہ بھی ایسا ہی ہو جائے جیسا میں ہوں یا جیسا میں چاہتا ہوں تو تم پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم خدا ہو؟ یا تم اللہ کے پیغمبر ہو؟ یا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا ٹھیکیدار بنایا ہے کہ ہر انسان تمہارے جیسا ہو جائے؟ بلکہ شریعت نے جو دائرہ مقرر کیا ہے، اگر ایک انسان اس دائرہ کے اندر رہتے ہوئے کسی مباح کام پر عمل کر رہا ہے تو تمہیں نکیر کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس مباح پر عمل کرنے والے کو بُرا سمجھنے کا حق ہے۔

اہل اللہ کی نقل اتارو

بہرحال! اہل اللہ کا طریقہ اختیار کرنے کی فکر کرنی چاہئے، اسی میں برکت ہے، اسی میں خیر ہے، اسی میں حفاظت ہے اور اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ سیرت و کردار بھی ان جیسی بنانے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں بشرطیکہ اس

نیت سے اس طریقے کو اختیار کیا جائے کہ جب ہم ظاہر میں اہل اللہ کی نقل اتاریں گے تو یہ فال نیک ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں باطن میں بھی ان جیسا بنا دیں گے۔

نیت کی خرابی سے وبال کا اندیشہ

لیکن اگر بزرگوں کی نقل اس نیت سے کی جائے تا کہ ذرا ہم بھی دیکھنے میں بزرگ معلوم ہوں اور اس کے نتیجے میں لوگوں کی نگاہوں میں ہماری عزت ہو تو اس نیت کے نتیجے میں الٹا وبال کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا نیت یہ ہونی چاہئے کہ ان کی صورت اختیار کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان جیسی سیرت بھی عطا فرما دیں گے۔

وضعداری اچھی چیز نہیں

دوسرا جملہ حضرت والا نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''وضعدار لوگوں کا مت رکھو'' ''وضعداری'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے اپنا خاص طریقہ بنا لیا کہ میں ہمیشہ اس انداز کی ٹوپی پہنوں گا، ہمیشہ ایسا کرتہ پہنوں گا، ایسا پاجامہ پہنوں گا، ایسا موزہ پہنوں گا، ایسا جوتا پہنوں گا، اور پھر اس خاص لباس کا اتنا اہتمام کرلیا کہ وہ لباس اس آدمی کی پہچان بن گیا۔ یہ ہے ''وضعداری'' اس کے بارے میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ طریق سلوک کے اندر یہ چیز اچھی نہیں، کیونکہ اس کے نتیجے میں لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں اور لوگ اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ایسا وضعدار ہے کہ جب بھی یہ شخص ٹوپی پہنے گا تو اس انداز کی

پہنے گا، یہ شخص ہمیشہ سفید شیروانی پہنے گا، ہمیشہ ایسا جوتا پہنے گا، اس پر حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایسا کام کیوں کرتے ہو جس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان تمہارا امتیاز پیدا ہو بلکہ وقت پر جیسا میسر آ جائے وہ اختیار کرلو اور جس وقت جس لباس میں راحت معلوم ہو وہ پہن لو۔

اکبر الٰہ آبادی کا ایک واقعہ

اکبر الٰہ آبادی مرحوم جو مشہور شاعر گزرے ہیں، میں نے ان کے بارے میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک دن لوگوں نے ان کو سڑک پر اس طرح جاتے ہوئے دیکھا کہ تہبند پہنا ہوا ہے اور اس کے اوپر کالر والی شرٹ پہنی ہوئی ہے اور سر پر ہیٹ پہنا ہوا ہے، اب جو شخص بھی ان کو اس حالت میں دیکھتا تو اس کو ایک ہیولی نظر آتا، اس لئے کہ لباس میں کوئی مطابقت نہیں تھی، کسی نے ان سے پوچھ لیا کہ جناب! یہ آپ کیسا لباس پہنے جارہے ہیں؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ تمہیں کیا اعتراض ہے؟ بھائی! ہمیں جس چیز میں راحت معلوم ہوئی وہ ہم نے پہن لی، ہمیں اس وقت تہبند پہننے میں راحت معلوم ہو رہی تھی، اس لئے تہبند پہن لی اور کالر دار شرٹ پہننے میں راحت معلوم ہو رہی تھی، وہ شرٹ پہن لی اور چونکہ دھوپ تھی، دھوپ سے بچنے کے لئے سر پر ہیٹ پہن لیا، جس چیز میں راحت معلوم ہوئی وہ پہن لیا، آپ کو کیا اعتراض ہے؟

من بھاتا کھاؤ، من بھاتا پہنو

لوگوں میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ کھائے من بھاتا اور پہنے جگ بھاتا، یعنی وہ چیز کھائے جو آدمی کے دل کو اچھی لگے، یہ نہ ہو کہ اچھی تو دوسروں کو لگ رہی ہے اور کھا تم رہے ہو، یہ فضول بات ہے، لہٰذا وہ چیز کھاؤ جو تمہارے من کو بھائے، تمہارے دل کو اچھا لگے، جس کا ذائقہ تمہیں پسند ہو۔ اور پہنے وہ لباس جو ساری دنیا کو پسند ہو، اس لئے کہ جگ سے مراد زمانہ ہے، یعنی زمانہ جس لباس کو پسند کرے وہ پہنو۔ لوگوں میں یہ مقولہ مشہور ہے۔

لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مقولہ درست نہیں، بلکہ انسان کھائے بھی من بھاتا اور پہنے بھی من بھاتا، یعنی جو اصول کھانے میں ہے وہی اصول پہننے میں ہے کہ جو کھانا تمہیں پسند ہے وہ کھاؤ اور جو لباس تمہیں پسند ہے وہ پہنو، یہ نہ ہو کہ تمہیں تو کوئی اور لباس پسند آ رہا تھا، لیکن زمانے نے فیشن بدل دیا، لہٰذا اب تم نے زمانے کی تقلید میں ایسا لباس پہن لیا جو تمہیں پسند نہیں تھا، یہ حماقت کی بات ہے۔

زمانے کی تقلید میں اسراف ہے

اور زمانے کی تقلید کرنے میں "اسراف" لازمی ہے، کیونکہ جو کپڑے پہلے بنائے تھے وہ اب بیکار ہو گئے اور ان کے استعمال کرنے کا مصرف نہیں رہا، اس لئے اب نئے کپڑے سلوائے جائیں گے، لہٰذا اس فیشن پرستی کا ایک لازمی نتیجہ "اسراف" ہے۔

دو باتیں اختیار کرلو

بہر حال! حضرت والا کے ملفوظات پڑھ کر جو بات سمجھ میں آئی، وہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء اور صلحاء کا لباس اور ان کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں ان کا لباس اس لئے اختیار کر رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ ان جیسی صورت اختیار کرنے کی برکت سے ان کی جیسی سیرت بھی عطا فرما دیں۔ لیکن اس لباس اور اس طریقہ کو سنت اور واجب نہیں سمجھنا چاہئے، لہٰذا اگر دوسرا آدمی اس طریقے اور اس لباس کے علاوہ دوسرا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے اور وہ طریقہ مباحات کے دائرے میں ہے تو اس پر نہ تو نکیر کرے اور نہ ہی اس کو برا سمجھے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کسی خاص طریقے کا ایسا التزام کہ کبھی اس سے تخلف ہی نہ ہو، یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں، بلکہ جس وقت جیسا لباس میسر ہو وہ لباس اختیار کرلے، کبھی ایسی ٹوپی پہن لی، کبھی ویسی پہن لی، کبھی ایسا جوتا پہن لیا، کبھی دوسرا جوتا پہن لیا، ایک لباس کا بہت زیادہ اہتمام نہ ہونا چاہئے، اس اہتمام میں ایک طرف تو ''التزام مالا یلزم'' کا خطرہ بھی ہے اور دوسری طرف اس اہتمام سے امتیاز پیدا ہوتا ہے اور یہ انسان کی بے تکلفی اور تواضع کے بھی منافی ہے۔

قرض لینے سے پرہیز کرو

دوسری نصیحت حضرت والا نے یہ فرمائی کہ:

(۲) بلا ضرورت ہرگز مقروض مت بنو، گو رسم و رواج

کے خلاف کرنا پڑے، مقروض ہونے سے بڑی پریشانی
ہوتی ہے جس کا انجام بہت بُرا ہے، ہر مسلمان کو وہی
مذہب رکھنا چاہئے جو اہل اللہ کا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

اس نصیحت میں ''اسراف'' سے بچنے کا بڑا زبردست قاعدہ بیان فرما دیا، وہ یہ کہ ''قرض'' سے بھاگو اور شدید ضرورت کے بغیر قرض نہ لو، کسی وقت پیٹ پر پتھر باندھنا پڑ جائے تو وہ گوارہ کر لو لیکن قرض لینا گوارہ نہ کرو۔ اگرچہ بعض اوقات آدمی بھوک سے مجبور ہو جاتا ہے تو بہر حال لینا پڑتا ہے، اس وقت اگر کوئی لے لے تو کوئی حرام اور ناجائز نہیں، لیکن اپنی ذہنیت یہ بناؤ کہ کسی غیر اللہ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا، نہ تو مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلانا ہے اور نہ ہی قرض کے لئے، یہ ذہنیت بنالو۔

اخراجات کم کرلو

جب تم یہ اصول بنالو گے کہ قرض نہیں لینا تو پھر خود بخود تمہیں اخراجات کم کرنے پڑیں گے، اب اس صورت میں اخراجات آمدنی کے دائرے میں کرنے پڑیں گے، کیونکہ اس سے زیادہ اخراجات کرے گا تو آدمی کو قرض لینا پڑے گا اور یہ اصول بنالیا ہے کہ قرض لے کر کوئی کام نہیں کرنا۔

استطاعت کم کام زیادہ

ہمارے معاشرے میں یہ زبردست فساد پھیلا ہوا ہے کہ آدمی کی استطاعت تو تھوڑی ہے اور اخراجات زیادہ ہیں اور وہ اخراجات چونکہ تھوڑی آمدنی میں پورے نہیں ہوتے تو اب ان کے لئے قرض لیتا ہے اور پھر قرض

در قرض ہوتے ہوتے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ یہ قرض لینے کی خرابی ہمارے اندر انفرادی سطح پر تو تھی مگر اب اجتماعی سطح پر ہمارا پورا ملک قرضوں پر چل رہا ہے۔

چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ

پہلے بزرگ کہا کرتے تھے کہ ''چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ'' یعنی یہ دیکھو کہ چادر کتنی ہے، پھر جتنی چادر ہے اتنے پاؤں پھیلاؤ، اس سے آگے مت پھیلاؤ۔ آج کا اصول یہ ہے کہ پاؤں پہلے پھیلاؤ اور پھر اس کے مطابق چادر بعد میں تلاش کرو اور اگر چادر نہ ملے تو بھیک مانگو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پوری کی پوری قوم مقروض ہے، آج ہمارے ملک کے بجٹ کا ۲/۱-۴۶ حصہ صرف قرضوں کی ادائیگی میں جاتا ہے۔ شیطان نے سود کا ایسا چرخہ چلایا ہے کہ آج پوری دنیا قرض کے اندر ڈوبی ہوئی ہے، صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ امریکہ بھی اتنے بڑے قرض میں ڈوبا ہوا ہے کہ کوئی حد وحساب نہیں، لیکن چونکہ وہ امیر ملک ہے، اس لئے فی الحال وہ اس قرض کو برداشت کر رہا ہے، مگر یہ ایک ایسا غبارہ ہے جو کسی وقت بھی پھٹ جائے گا۔ ہمارا ملک چونکہ غریب ہے، اس لئے ان قرضوں کا بوجھ ہمارے اوپر بہت زیادہ ہے، اس وقت ہماری آزادی اور ہماری عزت ہر چیز داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ بہر حال، بلاوجہ قرض نہ کرو۔

مقروض کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک جنازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس نماز جنازہ کے لئے لایا گیا، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ ان پر قرض ہے؟ صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ ان پر قرض ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ" یعنی تم ہی اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو، میں نہیں پڑھتا۔ ایک طرف تو یہ حدیث یاد رکھنی چاہئے۔

معمولی خاتون کی قبر پر نماز جنازہ

دوسری طرف وہ حدیث یاد رکھنی چاہئے کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ ایک خاتون جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی، وہ بہت دن سے نظر نہیں آ رہی ہے، کہاں گئی؟ ایک روایت میں ہے کہ مرد تھا، ایک روایت میں ہے کہ عورت تھی۔ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا انتقال ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں بتایا نہیں، صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ وہ ایسا وقت تھا کہ آپ ﷺ کو اس وقت نماز جنازہ میں شریک ہونے میں زحمت ہوتی، اس لئے آپ ﷺ کو نہیں بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، ایسا نہ کرو، بلکہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو مجھے بتاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا اس کی قبر دکھاؤ، کہاں ہے؟ چنانچہ آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور قبر پر آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن هذه القبور مملوّة ظلماً فينورها الله بصلاتي۔ (مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸۸)

یعنی یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ میری نماز پڑھنے کی

برکت سے ان میں نور پیدا فرما دیتے ہیں۔ اسی لئے علماء حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کوئی دوسرا شخص قبر پر جا کر نماز نہ پڑھے، اس لئے کہ ولی کے علاوہ دوسرے شخص کے لئے قبر پر نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ اگر ولی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تو اس کے لئے قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

دیکھئے! ایک طرف تو یہ حال ہے کہ ایک ایسی خاتون جس کی نماز جنازہ پڑھا دی گئی ہے اور اس کو دفن کر دیا گیا، البتہ آپ ﷺ کے علم میں اس کے انتقال کی خبر نہیں آئی، لیکن جب آپ ﷺ کو اس کے انتقال کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ قبرستان جا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو نور سے بھر دے۔

دوسری طرف یہ حال ہے کہ جنازہ سامنے رکھا ہے، اس لئے رکھا ہے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز جنازہ پڑھیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان پر نماز پڑھ لو، میں نہیں پڑھتا، کیونکہ ان کے ذمے قرض ہے۔

قرض کا ذمہ لینے کے بعد نماز جنازہ پڑھائی

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کا قرض میں اپنے ذمے لیتا ہوں، آپ ﷺ نے سوال کیا کہ کیا پورا قرض اپنے ذمے لیتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں پورا قرض اپنے ذمہ لیتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے ان

کی نماز جنازہ پڑھائی۔

واپس کرنے کی طاقت نہ ہونے کے باوجود قرض کیوں لیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو مقروض آدمی کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا، اس کی کیا وجہ تھی؟ بظاہر تو وہ شخص دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ستم رسیدہ تھا اور دوسروں کے مقابلے میں رحم کا زیادہ مستحق تھا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، اس سے اس طرف توجہ دلائی کہ جب قرض واپس کرنے کی استطاعت نہیں تھی تو پھر قرض لیا ہی کیوں تھا؟ معلوم ہوا کہ بلا ضرورت قرض لینا اور یہ معلوم ہوتے ہوئے قرض لینا کہ میں واپس ادا نہیں کر سکوں گا، یہ اتنی وبال کی بات ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے محرومی کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو بھی حتی الامکان قرض لینے کا اقدام نہیں کرنا چاہئے۔

ہمارے معاشرے میں قرض کی وبا

آج ہمارے معاشرے کے اندر اس معاملے میں بڑی افراط و تفریط پائی جارہی ہے، افسوس یہ ہے کہ ہمارے طبقے میں جو دیندار طبقہ کہلاتا ہے، اس میں خاص طور پر یہ وبا عام ہو رہی ہے، نہ تو اس کا اہتمام ہے کہ قرض ہی نہ لیں اور نہ ہی اس کا اہتمام ہے کہ اگر قرض لیا ہے تو وقت پر واپس کر دیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سالہا سال گزر جاتے ہیں اور قرض واپس نہیں ہوتا۔ اس لئے میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ کسی کو قرض نہ دینا پڑے، اللہ تعالیٰ کسی

کی مدد کرنے کی جو توفیق دیتے ہیں وہ کر دیتا ہوں، لیکن قرض دینے سے بچتا ہوں، اس لئے کہ قرض دینے کے بعد اس کا حساب لکھو اور پھر ہر وقت دماغ پر یہ فکر سوار ہے کہ وہ قرض واپس آئے گا اور وہ واپس آتا نہیں، ساری زندگی میں چند واقعات کے علاوہ مجھے یاد نہیں کہ کوئی آدمی قرض لے کر واپس کر گیا ہو، حالانکہ قرض لے جانے والے اچھے خاصے دیندار، عالم و فاضل اور بزرگوں کی صحبت میں عمریں گزار دینے والے، قرض لے کر گئے مگر آج تک پتہ نہیں کہ وہ قرض کہاں گیا۔

آج گناہ کیلئے قرض لئے جاتے ہیں

بہر حال! اوّل تو آدمی قرض کیوں لے؟ اگر لے تو پھر وقت پر ادائیگی کا اہتمام کرے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ میں فرما رہے ہیں کہ "بلا ضرورت ہرگز مقروض مت بنو، گو رسم و رواج کے خلاف کرنا پڑے" یعنی اس لئے قرض لے رہے ہیں کہ ہمارے ہاں فلاں موقع پر دعوت کی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے کے لئے قرض لے رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ "مقروض ہونے سے بڑی پریشانی ہوتی ہے جس کا انجام بہت بُرا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو وہی مذہب رکھنا چاہئے جو اہل اللہ کا ہے۔"

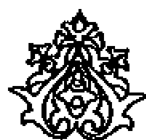
اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۳۷

گھر سے فضول سامان نکال باہر کرو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۷۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اسراف اور اس کا علاج

گھر سے فضول سامان نکال باہر کرو

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشۡهَدُاَنۡ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِیۡكَ لَهٗ وَأَشۡهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا كَثِیۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ!

اسراف کا ایک شعبہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اسراف" سے بچنے کی تدابیر کے سلسلے میں جو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے بعض نصیحتوں کا بیان گزشتہ کل ہوگیا، آگے ایک اور نصیحت کرتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ:

سب سے پہلے گھر کا انتخاب کرو، جتنی چیزیں کام آتی ہوں رہنے دو اور جتنی چیزیں کام میں نہ آئیں، خارج کر دو یا بیچ دو یا مساکین کو دیدو، نفلی صدقہ دینے کی ہمت نہ ہو تو زکاۃ ہی میں دیدو۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

اس نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں زیادہ چیزیں جمع کرنا یا رکھنا، یہ بھی "اسراف" کا ایک شعبہ ہے، کشادگی کے ساتھ جتنی چیزوں کی ضرورت ہو، وہ رکھو اور باقی ضرورت سے زائد جو اشیاء گھر میں ہیں یا تو ان کو خیرات کر دو یا ان کو بیچ دو اور جو پیسے آئیں وہ ضرورت میں خرچ کرو، لیکن خواہ مخواہ گھر میں چیزوں کے انبار لگانا جو کبھی استعمال میں نہیں آرہی ہیں، نہ ہی ان سے کچھ فائدہ حاصل ہورہا ہے، یہ فضول بات ہے، لہٰذا ہر شخص کو اپنے گھر میں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ضرورت سے زائد سامان تو نہیں ہے، اگر ہے تو وہ یا غریبوں کو دیدے یا فروخت کردے۔

ہر ایک کی ضرورت مختلف ہوتی ہے

البتہ ''ضرورت'' کا تعین کرنے میں کہ کتنے سامان کی ضرورت ہے اور کتنے سامان کی ضرورت نہیں، اس میں ہر جگہ اور ہر زمانے کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے اور ہر انسان کے حالات مختلف ہوتے ہیں، ان حالات کے لحاظ سے ضرورت کا تعین کرنا ہوتا ہے۔ میرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس موضوع پر بہت طویل بیان فرمایا اور اس میں فرمایا کہ ہر انسان کی ضرورت کا معیار مختلف ہوتا ہے، ایک آدمی کے تعلقات زیادہ نہیں ہیں، اس کے لئے ایک پیالہ، ایک پلیٹ، ایک پیالی بھی گھر میں ہونا کافی ہے، جبکہ ایک آدمی وہ ہے جس کے گھر میں مہمان کثرت سے آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس کے لئے دس پیالے بھی اس کی ضرورت سے کم ہوں۔ ایک آدمی کے گھر میں زیادہ مہمان نہیں آتے، اس کے لئے ایک بستر بھی کافی ہے، ایک آدمی کے گھر میں مہمان بہت آتے ہیں، اس کے لئے ہوسکتا ہے کہ دس بستر بھی کم ہوں۔ لہٰذا ہر آدمی کے حالات کے لحاظ سے ضرورت کا پیمانہ بدلتا رہتا ہے۔

یہ آمدنی کافی نہیں

میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ ہمارا جو کتب خانہ ہے، اس سے الحمدللہ اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ

مزید کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے یہ دل چاہتا ہے کہ مدرسہ کی خدمت بلا تنخواہ کے کی جائے۔ جواب میں حضرت نے پوچھا کہ کتب خانہ سے کتنی آمدنی ہوتی ہے؟ میں نے لکھا کہ ماہانہ تین ہزار ہوتی ہے۔ جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ یہ آمدنی آپ کے لئے کافی نہیں لہٰذا ابھی بلا تنخواہ مدرسہ کی خدمت کرنے کا ارادہ مت کرو۔ بہرحال! ہر آدمی کی ضروریات کے لحاظ سے پیمانہ بدلتا رہتا ہے۔

سامان کی زیادتی سے یکسوئی میں کمی

لہٰذا اپنے حالات کے مطابق پیمانے کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ دیکھو کہ گھر میں ضرورت سے زائد چیزیں پڑی ہیں یا نہیں؟ اگر پڑی ہیں تو ان کو ٹھکانے لگاؤ، خوامخواہ کیوں اپنا ذہن اور گھر والوں کا ذہن الجھاتے ہو، کیونکہ جتنا سامان زیادہ ہوتا ہے، انسان کی طبیعت میں اتنی ہی یکسوئی کم ہوتی ہے، دل جمعی کم ہوتی ہے، اس لئے کہ ذہن کبھی ایک طرف متوجہ ہوتا ہے، کبھی دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ کا واقعہ

حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، بزرگان دین میں سے ہیں، شروع میں یہ تاجر تھے، دین سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، عبادت سے اور ذکر و اذکار سے کوئی خاص تعلق نہیں

تھا، جیسے عام تاجر ہوتے ہیں اسی طرح کے تاجر تھے، عطار تھے یعنی عطر اور یونانی دوائیں شربت وغیرہ بیچا کرتے تھے، ایک دن دکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مجذوب قسم کا آدمی آگیا اور اس نے آکر دکان کا اس طرح جائزہ لینا شروع کیا کہ دکان میں کبھی اوپر سے نیچے کی طرف دیکھتا ہے اور کبھی نیچے سے اوپر کی طرف دیکھتا ہے، کبھی دائیں طرف دیکھتا ہے اور کبھی بائیں طرف دیکھتا ہے، شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ بس دیکھ رہا ہوں، آپ نے اس سے پوچھا کہ کچھ خریدنا بھی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، مجھے خریدنا کچھ نہیں، بس دیکھ رہا ہوں کہ یہ کیسی شیشیاں رکھی ہیں، آپ نے پوچھا کہ بھائی! کیوں دیکھ رہا ہے؟ اس نے کہا بات دراصل یہ ہے کہ میں یہ شیشیاں دیکھ کر یہ سوچ رہا ہوں کہ موت کا وقت آئے گا تو تمہاری جان ان شیشیوں میں سے کیسے نکلے گی، اس لئے کہ موت کے وقت تمہاری جان کبھی اس شیشی میں گھسے گی اور کبھی اس شیشی میں گھسے گی، اس لئے تمہاری جان نکلنی مشکل ہوگی اور اسی وجہ سے میں تعجب سے ان شیشیوں کو دیکھ رہا ہوں۔

دل پر چوٹ لگ گئی

شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی بات پر غصہ آیا کہ اس کو یہ تعجب ہو رہا ہے کہ میری جان کیسے نکلے گی، ارے جیسے تیری جان نکلے گی، ایسی ہی میری جان بھی نکل جائیگی، تیری جان کیسے نکلے گی؟ اس مجذوب نے کہا کہ میری جان تو اس طرح نکلے گی یہ کہہ کر اس نے: ''لا إلہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کلمہ

پڑھا اور زمین پر لیٹ گیا اور چادر اوڑھ لی، تھوڑی دیر بعد دیکھا تو وہ رخصت ہو چکا تھا۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ایک لطیفہ غیبی بھیجا تھا، بس اس مجذوب کا یہ حال دیکھ کر ان کے دل پر چوٹ لگ گئی کہ یہ مجذوب اپنی جان دے کر بڑی حکیمانہ بات کہہ گیا، واقعۃً میری جان تو ان بوتلوں اور شیشیوں میں اٹکی ہوئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کی توفیق عطاء فرمائی، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے کام کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ آج بڑے بڑے اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

سامان کی کمی سے بے فکری ہوتی ہے

بہرحال! انسان کے پاس جتنا ساز و سامان زیادہ ہوتا ہے، اتنا ہی اس کی تشویش بڑھتی ہے اور اتنا ہی ذہن ان چیزوں میں الجھتا ہے اور جتنا سامان کم ہوتا ہے، اتنا ہی انسان بےفکر ہوتا ہے۔

لنگ کے زیرو لنگ کے بالا
نے غم دزد نے غم کالا

یعنی اگر انسان معمولی سامان رکھنے والا ہو تو اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی، نہ اس کو چور کا ڈر، نہ ڈاکو کا ڈر۔ لہٰذا اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ آدمی اتنا سامان رکھے جو اس کے حالات کے مطابق اس کی ضرورت کا ہو، اس سے زیادہ سامان جمع

کر کے اپنا ذہن کیوں الجھائے، اس لئے اس سامان کو ٹھکانے لگائے۔ سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ صدقہ کر دے، تاکہ کسی غریب کے کام آ جائے اور اگر یہ نہ کرے تو پھر بیچ کر پیسے حاصل کرلے اور پھر ان پیسوں کو کسی ضرورت کے مصرف میں خرچ کرے یا ان پیسوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مدد کرے۔

یہ کنجوسی نہیں

بعض گھروں میں خواتین یہ کرتی ہیں کہ بے کار قسم کا جو سامان گھر میں پڑا ہوتا ہے، ان کو جمع کرتی رہتی ہیں، مثلاً رڈی اخبار جمع کر لیئے، بوتلیں جمع کرلیں، پھر کباڑی آتا ہے تو وہ خواتین وہ سامان اس کو بیچ دیتی ہیں۔ بہت سے لوگ خواتین کے اس عمل کو کنجوسی سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ یہ کنجوسی نہیں، بلکہ حضرت والا اس ملفوظ میں جو کچھ فرمارہے ہیں، اس کا مقصد یہی ہے کہ جو ضرورت سے زیادہ سامان گھر میں جمع ہو رہا ہے، بجائے اس کے کہ اس سامان کو بے کار کر کے ڈال دو، اس کو کسی مصرف میں لاؤ، اور اگر خود کسی مصرف میں نہیں لاسکتے تو ان کو بیچ دو، اس سے پانچ دس روپے حاصل ہو جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، ان پیسوں کو اپنے کسی جائز مصرف میں خرچ کرنا چاہو تو خرچ کرلو ورنہ کسی اللہ کے بندے کو دیدو، اس کے کام آجائیں گے۔

دستر خوان جھاڑنا ایک فن ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے

استاذ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے، یہ حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، دارالعلوم دیوبند کے بڑے درجے کے اساتذہ میں سے تھے، بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے، مادر زاد ولی تھے، والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ان کے گھر گیا ہوا تھا، کھانے کا وقت ہوگیا، فرمایا کہ آؤ کھانا کھالو، چنانچہ میں نے ان کے ساتھ کھانا کھالیا، جب کھانے سے فارغ ہوگئے تو میں نے سوچا کہ دسترخوان اٹھا کر باہر جھاڑ دوں، چنانچہ میں دسترخوان سمیٹنے لگا تو میاں صاحب نے پوچھا کہ کیا کرنے لگے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت! دسترخوان سمیٹ رہا ہوں، پوچھا کہ کس لئے؟ میں نے کہا کہ باہر جاکر جھاڑ دوں گا، پوچھا کہ تمہیں دسترخوان جھاڑنا آتا ہے کہ کس طرح جھاڑا جاتا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت! دسترخوان جھاڑنا بھی کوئی فن ہے کہ اس کو سیکھنا پڑتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! اسی لئے کہتا ہوں کہ تمہیں دسترخوان جھاڑنا آتا نہیں ہے، یہ بھی ایک فن ہے، میں نے کہا کہ حضرت! یہ فن بھی سکھا دیجئے۔

اللہ کا رزق ضائع نہ جائے

فرمایا کہ دیکھو میں تمہیں سکھاتا ہوں، پھر دسترخوان پر جتنی چیزیں پڑی ہوئی تھیں، ان کے مختلف حصے کیے، ہڈیوں کو الگ کیا، اور جو گوشت کے ٹکڑے بغیر ہڈی کے تھے ان کو الگ کیا، روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو الگ کیا اور روٹی کا برادہ جو روٹی توڑتے وقت گرتا ہے اس کو اکٹھا کرلیا۔ پھر فرمایا کہ

میرے یہاں ان میں سے ہر چیز کی جگہ الگ الگ مقرر ہے، یہ ہڈیاں فلاں جگہ رکھتا ہوں، چنانچہ کتے کو پتہ ہے کہ اس جگہ ہڈیاں ہوتی ہیں، کتا وہاں آتا ہے اور وہاں سے اپنے مطلب کی ہڈیاں لے جاتا ہے، اور گوشت کی بوٹیوں کی فلاں جگہ مقرر ہے، بلّی کو معلوم ہے کہ اس جگہ پر بوٹیاں ہوتی ہیں، وہ بلّی وہاں آکر اس گوشت کو کھالیتی ہے، اور روٹی کے ان ٹکڑوں کو اس جگہ دیوار پر رکھتا ہوں، یہاں پرندے چیل کوّے آتے ہیں اور ان ٹکڑوں کو کھالیتے ہیں، اور روٹی کا یہ برادہ ہے، میرے گھر میں چونٹیوں کا جو بل ہے، وہاں ڈال دیتا ہوں، وہ اس کو کھالیتی ہیں، پھر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہئے۔

آج کی دعوتوں کا حال

آج ہماری دعوتوں کو دیکھیں کہ وہاں کتنا کھانا ضائع ہوتا ہے، کتنے لوگ دنیا میں ایسے ہیں جو بھوک سے بیتاب ہیں، تڑپ رہے ہیں اور کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو کھانا نام کی چیز میسّر نہیں ہے، بلکہ کوئی چٹنی سے اور کوئی پیاز کے ساتھ روٹی کھا کر گزارہ کر رہا ہے، عین اسی وقت دعوتوں میں منوں کھانا ضائع ہو رہا ہے۔ العیاذ باللہ العلیّ العظیم۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کی قدر نہیں اور ان کو استعمال کرنے کا سلیقہ نہیں کہ ان کو کس طرح استعمال کیا جائے جس کے نتیجے میں یہ بیکار نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کے کام آجائے۔

کوئی چیز بیکار نہیں

اقبال مرحوم نے ایک نظم بچوں کے لیے لکھی ہے، اس نظم کا آخری شعر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت ہی پسند تھا، وہ شعر یہ ہے کہ:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اس کائنات میں جو بھی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا فرمایا ہے، اس کو بیکار اور نکما نہ سمجھو اور اس کی ناقدری نہ کرو بلکہ اس کو صحیح طور پر استعمال کرو۔

ایسی چیزیں گھر سے نکال دو

بہرحال! گھر میں جو فالتو چیزیں پڑی ہوتی ہیں، ان کا جائزہ لے کر ان کو کسی کام میں لاؤ، آج ہی گھر جا کر اس پر عمل شروع کرو اور جب اس نیت سے کروگے کہ یہ بھی ہماری دینی تعلیم کا ایک حصہ ہے تو انشاء اللہ تمہارا یہ عمل بھی اجر وثواب میں لکھا جائے گا۔ اگلی نصیحت میں بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح کی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ:

گھر کا معائنہ کیا کرو، گھر میں بہت سی چیزیں ایسی دیکھو گے جو سڑ رہی ہیں، کسی کو دیمک لگ رہی ہے، پس ایسی چیزوں کو اپنی ملک سے الگ کردو تا کہ گھر میں رونق

ہو۔ (ایضاً)

گھر میں جو چیزیں پڑے پڑے سڑ رہی ہیں، خراب ہو رہی ہیں، ان کو الگ کرو، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اس کے نتیجے میں وہ صحیح مصرف میں استعمال ہو جائیں گی، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ گھر میں ایسی چیزوں کے پڑے رہنے سے گھر میں بے رونقی ہوتی ہے، ان کو نکال دینے سے گھر میں رونق ہوگی اور صفائی بھی ہو جائے گی۔ یہ سب دین کا حصہ ہی ہے، جبکہ لوگ ان کو دنیاداری کی باتیں سمجھتے ہیں۔

مسلمان ہر جگہ مسلمان ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو صوفی بننا ہو یا ولی بننا ہو تو وہ کہیں اور چلا جائے، بہت ساری خانقاہیں کھلی ہوئی ہیں اور اگر کسی کو آدمی بننا ہو تو وہ یہاں آئے، یہاں تو آدمی بننے کے گُر سکھائے جاتے ہیں۔ مسلمان وہ نہیں ہے کہ جب تک مسجد میں مصلّے پر بیٹھا ہے، اس وقت تک تو وہ مسلمان ہے اور جب مسجد سے باہر نکلا تو اب اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ جو شخص مسلمان ہے وہ مسجد سے باہر بھی مسلمان ہے، گھر میں بھی مسلمان ہے، بازار میں بھی مسلمان ہے، دفتر میں بھی مسلمان ہے، ہر جگہ پر وہ مسلمان ہے، دین کی تعلیمات زندگی کے ہر ہر شعبے سے متعلق ہیں، ان سب کا اہتمام کرنا چاہئے۔

ہر کام سوچ کر کرو

آگے ایک اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

روزمرہ معاشرت میں یہ مقرر کرلو کہ جو کام کرو، سوچ کر کرو، بے تأمل مت کر ڈالو۔ (ایضاً)

''اسراف'' سے بچنے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ ہر کام سوچ کر کرو، اس لئے کہ جب طبیعت میں ''اسراف'' ہوتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل میں جو چیز خریدنے کا خیال آیا، فوراً وہ چیز خرید لی، سوچ بچار کچھ نہیں کیا۔ اس لئے ذرا سوچو کہ یہ چیز فائدہ مند ہے یا نہیں؟ سوچنے کی عادت ڈالو، سوچے بغیر کام کرنا غفلت اور لاپرواہی ہے اور غفلت اور لاپرواہی کے نتیجے میں انسان اپنا وقت بھی برباد کر رہا ہے اور پیسہ بھی برباد کر رہا ہے۔

کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

آخری نصیحت حضرت والا نے یہ فرمائی کہ:

کسی کے کہنے سے کوئی کام مت کرو، بس اپنی رائے پر عمل کرو۔

سن لاکھ کوئی تجھے سناوے
کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

(انفاسِ عیسیٰ ص ۱۹۲)

یعنی دوسرے لوگوں کے کہنے سننے سے متاثر نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام لوگ جو رسم و رواج کی بنیاد پر یا فیشن کی بنیاد پر باتیں کہتے ہیں یا جو مشورے دیتے ہیں، ان مشوروں کو سنتے رہو اور ایک کان سے سنو اور دوسرے کان سے اڑا دو اور جس طریقے کو تم صحیح سمجھتے ہو، اس پر عمل کرو، کوئی برا کہتا ہے تو کہا کرے، کوئی تمہیں طعنہ دیتا ہے تو دیا کرے، لیکن تم فیما بینہ و بین اللہ جو طریقہ صحیح سمجھتے ہو اس پر عمل کرتے رہو۔

بڑے کا کہنا سننا مراد نہیں

لیکن یہاں پر کسی بڑے کا کہنا سننا مراد نہیں، جیسے شیخ اپنے مرید سے کہے کہ یوں کرو یا استاد شاگرد سے کہے کہ یوں کرو، یا باپ بیٹے سے کہے کہ یوں کرو یا سرپرست اپنے زیر سرپرست شخص سے کہے کہ یوں کرو، وہاں اس شعر پر عمل نہیں کیا جائے گا کہ:

کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

بلکہ وہاں تو حکم یہ ہے کہ اس بڑے کی اطاعت کرنی ضروری ہے، وہاں خود رائی پر عمل کرنا جائز نہیں، بلکہ اسی خود رائی سے آدمی برباد ہو جاتا ہے، لہٰذا جب کسی کو بڑا بنا رہے ہو تو اس کو بڑا بنانے سے پہلے سوچ لو کہ یہ بڑا بنانے کے قابل ہے یا نہیں؟ اس کی رائے قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ اس کی دیانتداری قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ یہ شخص میرا خیر خواہ ہے یا نہیں؟ اور جب یہ دیکھ لیا کہ یہ شخص میرا خیر خواہ بھی ہے اور دیانتدار بھی ہے اور اس کی رائے عقل مندی پر مشتمل بھی

ہے اور ان تین باتوں کا اطمینان ہو گیا تو پھر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دو اور پھر جو وہ کہے اس پر عمل کرو۔

اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟

لیکن یہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو بات بیان فرمارہے ہیں، وہ دنیا کی طعن و تشنیع کی باتوں کے بارے میں فرمارہے ہیں، مثلاً آدمی یہ سوچے کہ اگر یہ کام کریں گے تو دنیا والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ارے بھائی! دنیا والوں کو منہ نہ دکھایا تو کیا فرق پڑے گا اور اگر ان کو منہ دکھایا اور انہوں نے تمہارا منہ دیکھ کر اپنا منہ بنالیا اور تمہیں بُرا بھلا کہہ دیا تو تمہارا کیا نقصان ہوا؟ صرف اتنی ہی بات ہوگی کہ وہ یہ کہے گا کہ یہ شخص دقیانوس ہے، اگر یہ کہیں گے تو کہنے دو، ان کی وہ بات تو ہوا میں اڑ جائے گی، تم پر اس بات کا کیا اثر پڑے گا، اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کیا منہ دکھاؤ گے، اس کی فکر کرو۔

مخلوق سے بے نیاز ہو جاؤ

اور جو آدمی ایک مرتبہ مخلوق کے کہنے سننے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اللہ جل شانہ کو راضی کرنے کی فکر کر لیتا ہے تو ایسا شخص ہی بالآخر دنیا سے عزت کراتا ہے اور دنیا اس کے قدموں میں آتی ہے۔ اس دنیا کا تو خاصہ ہی یہ ہے کہ اگر تم اس کے پیچھے بھاگو گے تو یہ تم سے بھاگے گی اور اگر تم اس سے منہ

موڑ کر بھاگو گے تو یہ تمہارے پیچھے بھاگے گی۔ یہ دنیا انسان کے سائے کی طرح ہے، اگر تم سائے کے پیچھے بھاگو گے تو وہ تمہارے آگے آگے بھاگتا جائے گا، کبھی اپنے سائے کو تم پکڑ نہیں سکو گے اور اگر تم سائے سے منہ موڑ کر دوسری طرف بھاگو گے تو وہ سایہ تمہارے پیچھے پیچھے بھاگے گا۔ یہی معاملہ دنیا کا ہے، چاہے دنیا کی دولت ہو یا دنیا کی عزت ہو یا شہرت ہو یا جاہ ہو یا مال ہو، کچھ بھی ہو، اس کا قاعدہ تو یہی ہے۔ لہٰذا اس بات کی تو فکر ہی چھوڑ دو کہ دنیا کیا کہے گی، اس لئے کہ تم دنیا والوں کا منہ کبھی بند نہیں کر سکتے۔

بیٹی کی شادی کا ایک واقعہ

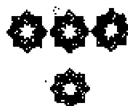
ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی کر رہا تھا، اس نے سوچا کہ جب بھی کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہے تو اس کے سسرال والے اکثر و بیشتر اس کو طعنے دیتے ہیں کہ تو فلاں چیز جہیز میں نہیں لائی، فلاں چیز جہیز میں نہیں لائی، اس نے سوچا کہ میں طعنہ دینے کا موقع ہی نہیں دوں گا اور دنیا کی ساری ضروریات کی چیزیں اپنی بیٹی کو دوں گا، چنانچہ اس نے ساری دنیا بھر کی اشیاء اپنی بیٹی کو جہیز میں دیدیں تاکہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ فلاں چیز نہیں دی۔ جب بارات جہیز لے کر روانہ ہوئی تو راستے میں ایک ندی آگئی اور راستہ ہموار کرنے کے لئے پھاوڑے کی ضرورت پیش آگئی، اب سامان میں پھاوڑا تلاش کیا گیا تو پھاوڑا نہیں ملا، کسی نے کہہ دیا کہ لو بھائی! ان صاحب نے جہیز میں پھاوڑا تو دیا نہیں، اگر پھاوڑا دیا ہوتا تو آج یہ راستہ آسانی سے بن جاتا اور پوری بارات آرام

سے گزر جاتی۔ دیکھئے! سب کچھ کرنے کے بعد پھر بھی یہ طعنہ ملا کہ صاحب پچھاوڑا نہیں دیا۔

دنیا کا منہ بند نہیں کر سکتے

لہٰذا اس دنیا کے لئے تم کچھ بھی کرلو پھر بھی تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور کہے گی، تم اس کا منہ کبھی بند نہیں کر سکتے۔ اسی کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے کوئی کام مت کرو بلکہ اپنی رائے پر عمل کرو، یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور کرتے ہوئے جس بات کو تم صحیح سمجھتے ہو، اس پر عمل کرو، اس کے بعد اگر تمہیں کوئی کچھ کہے تو اس کی پرواہ مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو ان تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



مجلس نمبر ۷۴

اپنے خرچ گھٹائیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر، ۵
مجلس نمبر : ۴۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسراف اور اس کا علاج

اپنے خرچ گھٹائیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

تمہید

کئی روز سے ''اسراف'' کا بیان چل رہا ہے، اس اسراف اور فضول خرچی کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کئی ارشادات بیان ہوئے اور ان کی تشریح عرض کی گئی۔ اب تک ''اسراف'' کے بارے میں جو تفصیل عرض کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ''اسراف'' کے معنی یہ ہیں کہ یا تو آدمی ایسی جگہ پر خرچ کرے جہاں خرچ کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہو یا فائدہ تو ہو لیکن وہ فائدہ مشروع اور جائز نہ ہو۔ اگر خرچ کرتے وقت ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت بھی پائی جائے تو اس کو ''اسراف'' کہیں گے۔

سالگرہ اور دعوتوں میں پیسہ خرچ کرنا

ہمارے یہاں آج کل جتنی رسمیں رائج ہیں جن کے اندر لوگ پیسے خرچ کرتے ہیں، مثلاً کبھی اپنی پیدائش کی سالگرہ منا رہے ہیں، کبھی شادی کی سالگرہ منا رہے ہیں، کبھی بچے کی سالگرہ کر رہے ہیں، کبھی منگنی کی دعوت کر رہے ہیں اور کبھی ختنہ کی دعوت کر رہے ہیں وغیرہ، اس طرح کی ہزار ہا رسمیں ہم لوگوں نے بنا رکھی ہیں، یہ دعوت کرنا اپنی ذات میں فی نفسہ جائز ہوتا ہے، لیکن یہ دعوتیں دو وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ ان دعوتوں کو اتنا لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گویا ان کے بغیر دین ہی مکمل نہیں ہوتا، اس کو ضروری سمجھنے کی وجہ سے یہ دعوتیں بدعت ہو گئیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دعوتیں اس

لئے کی جاتی ہیں تاکہ معاشرے میں ناک نہ کٹے۔ اور پھر مالی اعتبار سے چونکہ دعوت کرنے کی طاقت نہیں ہے، اس لئے اب ان دعوتوں کے لئے دوسروں سے قرض لے رہا ہے، اب بچے کی سالگرہ کی تقریب کے لئے پیسے تو موجود نہیں لیکن سالگرہ اس لئے کرنی ہے کہ اس کا رواج ہے اور فیشن چلا ہوا ہے، اگر سالگرہ نہیں کریں گے تو خاندان میں ناک کٹ جائے گی، اگر ناک نہیں کٹے گی تو کم از کم سالگرہ کرنے کے نتیجے میں لوگوں کو یہ تو پتہ چل جائے گا کہ یہ بھی سالگرہ مناتے ہیں اور اس کے نتیجے میں شہرت حاصل ہوگی اور لوگ ہمیں فیشن ایبل سمجھیں گے۔ لہٰذا سالگرہ کی تقریب کرنے میں فائدہ تو ہے لیکن ناجائز فائدہ ہے۔

قرض لیکر دعوت کرنا جائز نہیں

یاد رکھئے! کوئی بھی مباح کام جس کے بغیر تمہارا گزارہ ہوسکتا ہو اگر اس مباح کام کے لئے تمہیں قرض لینا پڑے تو یہ ''اسراف'' میں داخل ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ ایک شخص بالکل قلیل تنخواہ کا آدمی ہے جو اس تنخواہ کے ذریعہ مشکل سے اپنے گھر کا خرچ چلاتا ہے، لیکن جب کوئی تقریب کرنے کا موقع آجائے گا تو دو سو آدمی جمع کرلے گا، اور چونکہ اپنے پاس تو پیسے نہیں ہیں، اس لئے اس تقریب کے لئے دوسروں سے قرض لے گا اور مقروض بن جائے گا۔ اب بتائیے کہ کیا دو سو آدمیوں کی دعوت کرنا تمہارے ذمے کوئی فرض و واجب تھا؟ یاد رکھئے! ایسے حالات میں جبکہ تمہارے پاس

پیسے نہیں ہیں اور دوسروں سے قرض لے کر دعوت کرنی پڑ رہی ہے، یہ دعوت کرنا بالکل ناجائز ہے اور اسراف میں داخل ہے۔

عید پر نئے جوڑے بنوانا ضروری نہیں

اب عید کا زمانہ قریب آ رہا ہے، شریعت تو صرف یہ کہتی ہے کہ جو تمہارے پاس بہتر سے بہتر کپڑا جائز اور حلال طریقے سے میسّر ہو، وہ عید کے دن پہن لو۔ اب لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ عید کے موقع پر اپنے لئے اور گھر والوں اور بچوں کے لئے ایک جوڑا نہیں بلکہ کئی کئی جوڑے بنانا عید کی لازمی سنّت ہے اور عید کا لازمی تقاضہ ہے، حالانکہ گھر میں اچھے خاصے کپڑے رکھے ہیں، ان میں کوئی خرابی نہیں ہے، اس کے باوجود عید کے موقع پر نئے کپڑے بنانا لازم اور ضروری ہے اور کپڑے بنانے کے لئے پیسے نہیں ہیں تو اس کے لئے قرض لو، بیوی بچے مرد کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ کہیں سے بھی پیسے لاؤ اور ہماری عید کی خریداری کراؤ، اب اگر حلال طریقے سے اتنے پیسے میسّر نہیں تو اب وہ مرد کسی سے رشوت لے گا، کسی کو دھوکہ دے گا، کسی کے ساتھ اور کوئی ناجائز کام کر کے پیسے حاصل کرے گا، اگر اور کچھ نہیں کرے گا تو کم از کم قرض لے گا اور قرض لے کر اپنے بیوی بچوں کی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس صورت حال نے ہمارے معاشرے میں زبردست فساد پھیلا رکھا ہے، اس کے نتیجے میں حلال و حرام ایک ہو رہا ہے، لوگ پریشانیوں کے دلدل

میں دھنستے چلے جارہے ہیں، یہ سب ''اسراف'' کے ان احکام پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

خرچ گھٹانا اختیار میں ہے اور آمدنی بڑھانا اختیار میں نہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''اسراف'' کے سلسلے میں ایک بات بڑے کام کی ارشاد فرماتے تھے، فرماتے تھے کہ آمدنی کے اندر اضافہ کرنا تو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں، یعنی جتنی آمدنی کا دل چاہ رہا ہے، اتنی آمدنی ہو جائے، یہ اختیار میں نہیں، زیادہ سے زیادہ انسان کوشش کرسکتا ہے، لیکن اس کوشش کے نتیجے میں آمدنی واقعۃً بڑھ جائے، یہ انسان کے اختیار میں نہیں، البتہ خرچ گھٹانا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ انسان اس کام کے پیچھے پڑا رہتا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں، دن رات اس کی کوشش اور اس کی دوڑ دھوپ اور اس کی سوچ بچار اس طرف لگی ہوئی ہے کہ اس کی آمدنی بڑھ جائے اور جو چیز اختیار میں ہے یعنی خرچ کو گھٹانا تو اس کی طرف توجہ نہیں۔

خود کفیل بننے کی کوشش کرو

خرچ تو پہلے سے متعین کر رکھے ہیں کہ مجھے یہ خرچ ہر قیمت پر ضرور کرنے ہے، لہٰذا اس کے لئے آمدنی بڑھانی ہے اور آمدنی بڑھانا اختیار میں نہیں، اس کے نتیجہ میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں کہ یا تو حرام طریقے سے مال کمائے یا کسی

سے قرض لے یا کسی کا زیر بار احسان ہو کر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے کوئی شخص تمہارے ساتھ چاہے کتنی خوش دلی کے ساتھ احسان کر رہا ہو، چاہے وہ تمہارا دوست ہو، عزیز ہو، قریبی ہو، بھائی ہو یا بہن ہو یا باپ ہی ہو، لیکن تمہیں چاہیے کہ تم اپنے آپ کو خود کفیل بنانے کی کوشش کرو اور ایسے خرچ کیوں کرو جس کے نتیجے میں دوسرے کا احسان سر پر لینا پڑے بلکہ اپنے خرچ کو گھٹا کر کام چلاؤ۔

خرچ آمدنی کے دائرے میں کرلو

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بڑے گر کی بات ارشاد فرمائی کہ اپنے خرچ کو اپنی آمدنی کے دائرے میں رکھو، اگر آمدنی دال روٹی کی ہے تو دال روٹی کھاؤ، پلاؤ زردہ بنانے کی کیا ضرورت ہے، اگر آمدنی اتنی ہے کہ سال میں ایک نیا جوڑا یا دو جوڑے بنا سکتے ہو تو بس اس کے مطابق بناؤ اور اسی کو بار بار دھو کر پہنتے رہو، تین جوڑے مت بناؤ، اللہ تعالیٰ نے جتنی گنجائش دی ہے، اس کے حساب سے اپنے خرچ کو اس طرح ترتیب دو کہ اس آمدنی کے اندر پورا ہو جائے۔

جتنی چادر ہو اتنے پاؤں پھیلاؤ

یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ "جتنی چادر ہو اتنے ہی پاؤں پھیلاؤ" یعنی جتنے وسائل ہیں اس کے مطابق کام کرو، آج ایسا الٹا زمانہ آگیا ہے کہ نیا اصول بنالیا ہے کہ "پاؤں پہلے پھیلاؤ اور چادر بعد میں تلاش کرو" اور اگر پاؤں

پھیلانے کے بعد چادر کافی نہیں ہوتی تو دوسرے کی چادر چھینو' آج کی معاشیات کا یہی اصول ہے۔ بہرحال! آدمی اتنا خرچ کرے جتنا اس کی استطاعت میں ہو، جب آدمی کم خرچ کی عادت بنالیتا ہے تو اس کو دنیا میں نہ کہیں تکلیف ہوتی ہے اور نہ پریشانی ہوتی ہے اور نہ اس کو کوئی دبا سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا ایک واقعہ

جب پاکستان قائم ہوا تو حکومت پاکستان نے ''بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، اس وقت پاکستان کا دستور بن رہا تھا، پاکستان کے دستور میں اسلامی دفعات شامل کرنے کے لئے علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنانا مقصد تھا، چنانچہ اس کام کے لئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند سے بلایا، آپ تشریف لائے تو آپ کو اس بورڈ کا رکن بنا دیا، آپ نے خدمت کی نیت سے اس کی رکنیت قبول فرمائی۔

یہ ''بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ'' ایک سرکاری ادارہ تھا، ایک موقع ایسا آگیا کہ حکومت کی طرف سے دستور کے بارے میں کچھ غلط باتیں منظر عام پر آگئیں، اس کے بارے میں کسی وزیر سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ غلط باتیں کیسے دستور میں شامل کردیں؟ جواب میں وزیر صاحب نے کہہ دیا کہ ہم تو ''بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ'' سے بھی مشورہ کرتے ہیں۔ ان کے جواب سے یہ تاثر مل رہا تھا کہ گویا یہ سب باتیں بورڈ کے مشورے کے بعد دستور میں شامل

کی گئی ہیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس جواب کے بارے میں پتہ چلا تو آپ نے ایک بیان اخبار میں دیدیا کہ وزیر صاحب نے یہ جو فرمایا کہ ہم نے بورڈ سے مشورہ کیا ہے، تو بات یہ ہے کہ بورڈ سے مشورہ تو ضرور کیا، لیکن اس مشورے کے ایک جز پر بھی عمل نہیں کیا اور پھر اس پر آپ نے اس دستور کی مخالفت کی اور اس کی غلطیاں ظاہر کیں۔

یہ ''بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ'' اسمبلی سے ملحق تھا، چنانچہ اسمبلی کے ذمہ دار حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور آکر کہنے لگے کہ مفتی صاحب! آپ نے ہمارے خلاف یہ بیان دیدیا، حالانکہ آپ خود ہمارے ادارے کے آدمی ہیں، آپ کو تو ایسا بیان نہیں دینا چاہئے۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس ادارہ کی جو رکنیت اختیار کی تھی، وہ صرف خدمتِ دین کے لئے اختیار کی تھی، ضمیر فروشی کے لئے رکنیت اختیار نہیں کی تھی کہ اگر اپنے ضمیر کے خلاف بھی کوئی کام ہو تو اس پر خاموش رہوں اور میں نے ضمیر فروشی کے لئے یہ ملازمت نہیں کی ہے، لہٰذا میں نے اپنا دینی فریضہ سمجھ کر یہ بیان دیا ہے۔ اگر آپ کو میرا یہ طریقہ پسند نہیں ہے تو میں آپ کو یہ بتادوں کہ جس دن میں نے اس بورڈ کی رکنیت قبول کی تھی، اسی دن میں نے استعفاء لکھ کر جیب میں ڈال دیا تھا کہ جب اپنی ضمیر کے مطابق کام ہوتا دکھائی نہیں دے گا تو اسی دن یہ استعفاء پیش کردوں گا۔ اس پر ان وزیر صاحب نے کہا کہ مفتی صاحب! آپ یہ تو سوچیں کہ آپ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور یہاں اس ملازمت کے علاوہ آپ کا نہ کوئی ذریعہ آمدنی ہے نہ کوئی تجارت

ہے، اگر اس طرح آپ اس ملازمت سے استعفاء دے کر چھوڑ دیں گے تو پھر کیسے گزارہ ہوگا؟ اس پر حضرت والد صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ یہ جو آپ کو خوف ہے کہ ملازمت چھوٹ جانے کے بعد کیا ہوگا؟ یہ آپ اپنی ملازمت کے چھوٹ جانے سے ڈریں، اس لئے کہ آپ کا یہ جو سر سے لے کر پاؤں تک سوٹ ہے، یہ دوسو روپے کا بنتا ہے۔ اس زمانے میں دوسو روپے بڑی چیز ہوتی تھی۔ لہٰذا آپ کو ہر مرتبہ سوٹ بنانے کے لئے دوسو روپے چاہئیں اور اس کے لئے آپ کو ایسی ملازمت چاہئے جس میں ہزاروں روپے تنخواہ ملے، اس کے بغیر آپ کا گزارہ نہیں ہوگا، میرا سر سے لے کر پاؤں تک جو پورا جوڑا اور ٹوپی اور جوتا ہے، یہ ڈیڑھ روپے میں تیار ہو جاتا ہے، لہٰذا مجھے آپ کی ان تنخواہوں اور الاؤنسوں کی پرواہ نہیں، آج اگر ملازمت چھوڑ دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تھوڑا بہت ہنر دیا ہے، میں اس کے ذریعہ آسانی سے ڈیڑھ روپے کما لوں گا۔

انتظام سے خرچ کرنے کی عادت بنالو

یہ باتیں وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنی زندگی کو کم خرچ میں ڈھال لیا ہو۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ آمدنی اگرچہ تھوڑی ہو لیکن اس کو انتظام سے خرچ کرے کہ وہ پیسہ صحیح مصرف پر اور صحیح جگہ خرچ ہو۔ چنانچہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ انتظام کسے کہتے ہیں، آپ حضرات کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ حضرت والد صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی تھے اور درجہ علیا کے استاد بھی تھے، جب پڑھانا شروع کیا تھا تو اس وقت آپ کی تنخواہ ماہانہ ۱۵ روپے

تھی اور جب آپ نے دارالعلوم دیوبند کو چھوڑا تو اس وقت آپ کی تنخواہ ۶۵/ روپے ماہانہ تھی۔

ملازمت کو ٹھکرا دیا

اس دوران آپ کے پاس "مدرسہ عالیہ کلکتہ" سے پیشکش آگئی کہ آپ ہمارے یہاں "صدر مدرس" کے عہدے کے لئے تشریف لے آئیں، ہم آپ کو ۵۰۰/ روپے تنخواہ دیں گے، اس وقت کے پانچ سو روپے آج کل کے پچاس ہزار روپے سے کم نہیں ہوں گے۔ جبکہ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت پچاس روپے ماہانہ سے بھی کم تنخواہ تھی، اس پیشکش کے جواب میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متنبی کا ایک شعر لکھ کر ان کو بھیج دیا، وہ شعر یہ تھا:

من رکب الثور بعد الجواد

أنکر أطلافه و الغبب

یعنی جو شخص عمدہ گھوڑے پر ایک مرتبہ سواری کر چکا ہو، وہ بعد میں بیل پر سواری نہیں کرتا۔ یعنی دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے کے بعد اب مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پانچ سو روپے کی ملازمت کو اختیار کرنا گھوڑے پر سواری کرنے کے بعد بیل پر سواری کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ آپ نے وہ پیشکش رد کر دی۔

۶۵/ روپے میں چار خاندانوں کی پرورش

حالانکہ آپ کا کنبہ بڑا تھا اور آپ کی کئی ہمشیرہ بیوہ ہوگئی تھیں، ان سب

کی دیکھ بھال اور ان سب کا خرچ آپ نے اپنے ذمے لے لیا تھا اور تنخواہ صرف ۵۰ یا ۵۵ روپے تھی اور آخری تنخواہ صرف ۶۵؍روپے تھی۔ اس تنخواہ میں آپ نے چار خاندان پالے اور صرف یہ نہیں کہ آرام سے اس تنخواہ میں گزارہ کیا بلکہ بہت بڑا کتب خانہ خود اپنے ہاتھوں سے خریدا ہوا چھوڑ کر گئے، چونکہ کتابوں کا آپ کو بہت شوق تھا، اس لئے کتابیں جمع کیں، آج اس کتب خانہ کی مالیت لاکھوں کی ہوگی۔

اخراجات کا بجٹ آمدنی کے مطابق ہو

فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب کام انتظام کی وجہ سے ہوا، ہر چیز کا سوچ سمجھ کر ایک دائرہ مقرر کرلیا، ہم نے دیکھا کہ حضرت والد صاحبؒ کے پاس ایک چھوٹی سی صندوقچی تھی، اس کے اندر لفافے رکھے ہوتے تھے، ایک لفافہ پر یہ لکھا ہوتا ''گھر کا خرچ اور راشن، ایک لفافے پر لکھا ہوتا ''پھل'' گویا کہ ہم اپنی تنخواہ میں سے مثلاً ۲؍روپے یا پانچ روپے کے پھل کھائیں گے اور گھر والوں کو کھلائیں گے، اب جب تنخواہ ملی تو ۲؍روپے پھل کے لفافے میں رکھ دیئے، اب سارے مہینے انہیں دو روپے میں پھل لانے ہیں، یہ نہیں کہ کسی مہینے دس روپے کے پھل لے آئے اور کسی مہینے ایک پیسہ کا بھی پھل نہیں آیا، اس انتظام کے نتیجے میں خاص تناسب سے پورے مہینے پھل آتے۔ کپڑے کے لئے الگ لفافہ، جوتے کے لئے الگ لفافہ، ہر مد کے لئے الگ الگ لفافے ہوتے، جس لفافہ میں پیسے ختم ہوجاتے تو بس اس مد کی چھٹی ہوجاتی، مثلاً پھل

کا لفافہ اگر خالی ہوگیا تو اب مہینے کے ختم تک پھل نہیں آئیں گے، اگر کپڑے کا لفافہ خالی ہوگیا تو اب کپڑے کا باب بند ہوگیا، اب جب دوبارہ کپڑے کی مد میں پیسے آئیں گے تو اس وقت کپڑا خریدا جائے گا۔ اس انتظام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے خوب برکت عطا فرمائی۔

خیرات وصدقات بھی ماہانہ مقرر تھے

اس کے علاوہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ساری عمر یہ معمول تھا کہ جب کوئی آمدنی ہوتی، اگر وہ محنت سے حاصل ہوئی ہے تو اس کا بیسواں حصہ اور اگر بغیر محنت کے حاصل ہوئی ہے تو اس کا دسواں حصہ نکال کر الگ لفافے میں رکھ لیتے اور خیرات کے مواقع پر اس میں سے خرچ کرتے، اس لفافے پر لکھا ہوتا ''مدِ خیرات'' اسی لفافے میں سے کسی کو ہدیہ دیدیا، کسی کو تحفہ دیدیا، کہیں مسجد میں لگادیا۔ ہم نے یہ لفافہ کبھی خالی نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی برکت عطا فرمائی تھی۔ اس طرح خرچ کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ کام آرام سے پورے ہوجاتے تھے اور کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ بہت زیادہ تنگی ہورہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسی تنخواہ سے بچا کر خیرات کے کاموں میں بھی خرچ کرلیتے۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر انتظام سے خرچ کرنے کی عادت ڈالی جائے تو تھوڑے پیسے میں اللہ تعالیٰ زیادہ برکت عطا فرما دیتے ہیں اور ان پیسوں سے آدمی زیادہ فائدہ اٹھالیتا ہے اور اگر بدنظمی اور بد انتظامی ہو اور اسراف اور فضول خرچی ہو تو سونے کے ڈھیر اور قارون کا خزانہ

بھی ناکافی ہے، جب انسان کی بے جگہ خرچ کرنے اور بے مہابا خرچ کرنے اور بے مصرف خرچ کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر بڑے بڑے خزانے بھی ناکافی ہو جاتے ہیں۔

ایک عبرت ناک واقعہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ڈھاکہ میں ایک بازار ہے جو بیگم بازار کے نام سے مشہور ہے، یہ علاقہ ایک بہت بڑے نواب صاحب کا تھا، وہ نواب صاحب بڑی جائیداد کے مالک تھے اور ان کے پاس روپیہ پیسہ بھی کچھ تھا، ان نواب صاحب کا انتقال ہو گیا اور اولاد میں ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی تھی، ساری جائیداد اور سارا پیسہ ان دونوں کے پاس وراثت میں آ گیا، ایک مرتبہ بیٹی کو کپڑا خریدنے کی ضرورت ہوئی تو کپڑے کے ایک تاجر سے کہا کہ تم ہمارے ہاں تھان لے کر آؤ تا کہ ہم اس میں سے اپنے لئے کپڑا پسند کر لیں، چنانچہ وہ تاجر بہت سارے تھان لے کر آ گیا، ایک کپڑا پسند آیا تو تاجر سے کہا کہ اس تھان میں سے ایک جوڑے کا کپڑا پھاڑ دو، جب اس تاجر نے وہ کپڑا پھاڑا تو کپڑے کے پھٹنے کی جو آواز تھی وہ صاحبزادی کو بہت پسند آئی کہ یہ تو بہت خوبصورت آواز ہے، اب اس نے تاجر سے کہا کہ اور کپڑے پھاڑو، اس نے اور پھاڑ دیے، اب اس صاحبزادی کا یہ مشغلہ بن گیا کہ دن رات تاجر سے کپڑا منگواتی اور اس کو پھڑواتی اور اس کی آواز سے لطف اندوز ہوتی۔

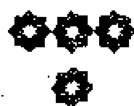
دوسرے صاحبزادے تھے، وہ ایک مرتبہ کسی جگہ تشریف لے گئے، وہاں چراغ جلانے کی ضرورت پیش آ گئی، چنانچہ ماچس کے ذریعہ جب وہ چراغ جلایا تو ماچس جلانے کی بو صاحبزادے کو پسند آ گئی، انہوں نے دن رات یہ مشغلہ اختیار کرلیا کہ ماچس منگواتے اور اس کو جلا کر اس کی بو سونگھتے اور اس طرح ماچسوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اب دونوں اپنے اپنے مشغلوں کے اندر لگے ہوئے ہیں، آخرکار ساری دولت، ساری جائیداد ان مشغلوں کے اندر ختم ہوگئی، یہاں تک نوبت پہنچی کہ پھر وہ دونوں بہن بھائی اس بازار میں پیالہ لے کر بھیک مانگا کرتے تھے، اس لئے اس بازار کا نام ''بیگم بازار'' مشہور ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین، یہ درحقیقت فضول خرچی کا عذاب ہے۔

آمدنی کے دائرے میں خرچ کرنا کفایت شعاری ہے

خدا کرے کہ یہ بات ہماری سمجھ میں آ جائے کہ اپنے اخراجات کو اپنی آمدنی کے دائرے میں محدود رکھیں، کیونکہ آمدنی بڑھانا اختیار میں نہیں، خرچ گھٹانا اختیار میں ہے، جو اختیار میں ہے اس پر عمل کرو، اور جب انتظام سے خرچ کروگے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں برکت ہوگی اور بخل کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، انتظام اور کفایت شعاری اچھی چیز ہے، بخل اور کنجوسی بری چیز ہے۔ بخل کے معنی یہ ہیں کہ شریعت نے جہاں خرچ کرنے کو کہا ہے، یا تو اس جگہ پر خرچ نہیں کر رہے ہو یا اس جگہ پر تنگی کر رہے ہو تو یہ بخل ہے، لیکن اگر اپنی

آمدنی کے دائرے میں رہ کر خرچ کر رہے ہو تو یہ بخل نہیں بلکہ یہ کفایت شعاری ہے اور انتظام ہے۔ یہ ایک بنیادی نصیحت ہے، اگر ہم اس پر عمل کرلیں تو جو ہمارے مالی مسائل ہیں، وہ اس کے ذریعہ بہترین طریقے پر حل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



مجلس نمبر ۷۵

تکبر اور خجلت کا فرق

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵

مجلس نمبر : ۷۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

تکبر اور خجلت کا فرق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

آگے جو ملفوظ ہے، یہ حضرت والاؒ نے ایک صاحب کے خط کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے، فرمایا کہ:

مجمع کے سامنے جو پانی کا گھڑا یا آم کی ٹوکری وغیرہ اٹھا کر لے چلنے میں عار آتی ہے، متوسط کے لئے اس کا منشاء کبر ہوتا ہے، اس کو بتکلف اٹھانا علاجاً ضروری ہے۔ خلاف عادت فعل کرنے میں جو طبیعت شرماتی ہے، اس کو "خجلت" کہتے ہیں، لیکن تکبر اور خجلت کا فرق یوں ظاہر ہوسکتا ہے کہ اگر مثلاً کسی شخص کو اس بات سے گرانی ہو کہ وہ سر پر ٹوکرا رکھ کر سر بازار نکلے اور اس سے شبہ کبر کا ہو تو دیکھنا یہ چاہیئے کہ مثلاً اگر خلاف عادت اس کو ہاتھی پر بٹھلا کر جلوس کے ساتھ بڑی شان وشوکت سے بازار میں نکالا جائے تو آیا اس کو اس سے بھی انقباض ہوگا اور شرم آئے گی یا نہیں؟ اگر اس سے بھی انقباض ہو تو ایسے شخص کو ٹوکرا اٹھانے سے جو انقباض ہے، اس کو "تکبر" نہ کہیں گے بلکہ "خجلت" کہیں گے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

تکبر اور خجلت کی ایک مثال

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو عجیب باریک نظر عطا فرمائی تھی۔ اس ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ دو چیزوں میں بعض اوقات التباس ہوجاتا ہے، یعنی ایک چیز پر دوسری چیز کا گمان ہوجاتا ہے۔ ایک ہے "تکبر" یہ بہت

بُری چیز ہے اور بہت سے امراض باطنہ کی جڑ ہے اور دوسری چیز ہے ''خجلت'' اس کے معنی ہیں کسی کام کے کرنے سے شرم محسوس ہونا، یہ کوئی بُری بات نہیں بلکہ جائز ہے۔ فرمایا کہ اگر کسی شخص کو پانی کا گھڑا یا آم کی ٹوکری سر پر رکھ کر بازار سے جاتے ہوئے عار آتی ہے تو بعض اوقات اس عار کا آنا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں بڑا سمجھتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ یہ سامان سر پر اٹھا کر لیجانا میری شان کے خلاف ہے، یہ کبر ہے اور اپنی بڑائی دل میں ہے کہ میری شان تو بہت اونچی ہے اور یہ سامان اٹھانا میری شان سے بہت فروتر کام ہے، یہ تکبر ہے جو منع ہے اور حرام ہے، اگر کوئی شخص اس وجہ سے سامان اٹھانے سے اعراض کرے کہ یہ عمل میری شان کے خلاف ہے تو اس شخص کا علاج یہ ہے کہ یہی کام اس شخص سے زبردستی کروانا چاہئے تاکہ اس کے دماغ میں جو اپنی شان بیٹھی ہوئی ہے، وہ نکل جائے۔

یہ خجلت ہے

اور بعض اوقات اس کام سے عار آنا خجلت کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی چونکہ یہ کام کرنے کی عادت نہیں ہے تو خلاف عادت کام کرنے سے آدمی کو طبیعت میں شرم محسوس ہوتی ہے، اس وجہ سے نہیں کہ یہ کام میری شان کے خلاف ہے بلکہ اس وجہ سے کہ عام طور پر میں یہ کام نہیں کیا کرتا، جب اچانک مجمع کے سامنے یہ کام کروں گا تو لوگ پتہ نہیں کیا سمجھیں گے اور ایک اجنبی سی بات ہوگی، اس لئے طبیعت میں اس کام سے شرم معلوم ہوتی ہے، یہ خجلت ہے،

تکبر نہیں، اگر اس وجہ سے کوئی شخص سامان اٹھانے سے اعراض کر رہا ہے تو کوئی بُری بات نہیں۔

تکبر اور خجلت کو معلوم کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے کہ اس سامان کے اٹھانے سے جو عار محسوس ہو رہی ہے، یہ شان کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور تکبر کی وجہ سے عار محسوس ہو رہی ہے یا خلاف عادت ہونے کی وجہ سے شرم محسوس ہو رہی ہے؟ اس کا حضرت والا نے یہ امتحان بتایا کہ اس کا اس طرح امتحان لو کہ اگر وہی شخص جو ٹوکرا اٹھانے سے شرما رہا ہے، خلاف عادت اس کو ہاتھی پر بٹھا کر اس کا جلوس نکالا جائے تو آیا اس عمل سے بھی اس کو شرم آئے گی یا نہیں؟ اگر اس عمل سے بھی اس کو شرم آئے گی تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کو ٹوکرا اٹھانے سے جو شرم آ رہی تھی، وہ واقعۃً خلاف عادت ہونے کی وجہ سے شرم آ رہی تھی، لیکن اگر یہ صورت ہو کہ ہاتھی پر بٹھا کر جلوس نکالنے پر تو خوش ہو رہا ہے کہ میرا جلوس نکل رہا ہے، لوگ میری عزت اور احترام کر رہے ہیں، حالانکہ اگر خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ٹوکرا اٹھانے میں شرم آ رہی ہوتی تو پھر جلوس نکالتے ہوئے بھی شرم آنی چاہئے، معلوم ہوا کہ ٹوکرا اٹھانے پر جو شرم محسوس ہو رہی ہے، وہ تکبر کی وجہ سے اور اپنی شان کے خلاف سمجھنے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ یہ ہیں حکیم جو اس بات کو سمجھ رہے ہیں کہ کہاں بیماری ہے اور کہاں بیماری نہیں ہے۔ بہر حال! جہاں اس قسم کا کام کرتے ہوئے انسان اس وجہ سے کترائے

کہ یہ کام میری شان کے خلاف ہے تو سمجھ لو کہ تکبر کی بیماری اندر موجود ہے اور اس کا علاج ضروری ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا اپنا علاج کرنا

اور یہ علاج حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس زمانہ خلافت میں کہیں سے روم کا بنا ہوا جُبّہ آگیا جو بڑا شاندار جُبّہ تھا، آپ کو خیال آیا کہ جمعہ کے روز اس جُبّہ کو پہن کر خطبہ دوں گا اور نماز پڑھاؤں گا، چنانچہ جُبّہ پہن کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ویسے بھی بڑے وجیہ اور بلند قامت تھے اور جب جُبّہ زیب تن فرمایا تو آپ بہت خوبصورت لگ رہے تھے اور دیکھنے والوں نے بھی محسوس کیا کہ یہ جبّہ بہت خوبصورت لگ رہا ہے، جب نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو ایک پانی کی مشک اٹھائی اور اس کو پانی سے بھر کر اپنی کمر پر لادی اور مدینہ منورہ میں جو بیواؤں کے گھر تھے، ان میں پانی بھرنے لگے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مسجد نبوی میں منبر پر بڑی شان سے خطبہ دے رہے تھے اور اب پانی بھرنے لگے، کسی نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے وہ جبّہ پہن کر خطبہ دیا تو بڑی شان و شوکت معلوم ہوئی اور مجھے اندیشہ ہوا کہ میرے دل میں کہیں عجب اور کبر داخل نہ ہو جائے، اس کا علاج کرنے کے لئے میں نے یہ کام کیا۔ اللہ اکبر۔ یہ اپنا علاج وہ شخص کر رہا ہے

ہیں جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لو کان بعدی نبیّ لکان عمر

لیکن اپنے نفس کا ہر ہر لمحے جائزہ لے رہے ہیں کہ کہیں یہ نفس مجھے غلط راستے پر تو نہیں لے جا رہا ہے، اگر لے جا رہا ہے تو اس کا فوری علاج ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا اپنا علاج کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولوی قسم کے آدمی تھے، نہ ان کا سیاست سے کوئی تعلق، نہ کسی اور چیز سے تعلق، ساری زندگی قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھانے میں گزری، ساری عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کیں، پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ مدینہ منورہ میں مروان بن حکم ایک مرتبہ گورنر تھا، اس کو کہیں سفر پر جانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قائم مقام اور نائب بنا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیض اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ بہت حسن خوبی سے حکومت چلانے کے کام انجام دیے، سارا دن بیٹھ کر حکومت کرتے، معاملات نمٹاتے، عدالت کے فیصلے کرتے، معاملات کی جانچ پڑتال کرتے، ایک گورنر کو جو کام انجام دینے پڑتے ہیں وہ سب کچھ کرتے، جب شام کو ایوان حکومت سے اٹھ کر گھر جاتے تو لکڑیوں کا ایک گٹھا لے کر سر پر رکھتے اور مدینہ منورہ کے بازار کے درمیان سے گزرتے اور جا کر لکڑیاں فروخت کرتے تاکہ اس کو فروخت کر کے اپنی گزر

اوقات کریں۔ اور صرف اتنی بات نہیں تھی بلکہ بازار سے لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھ کر اس طرح اعلان کرتے ہوئے گزرتے کہ ھٹو امیر المؤمنین آرہے ہیں، ھٹو امیر المؤمنین آرہے ہیں۔ امیر المؤمنین بھی ہیں اور یہ کام بھی کر رہے ہیں، کیوں کر رہے ہیں؟ اس لئے کر رہے ہیں کہ سارے دن بیٹھ کر جو حکومت کی ہے، اس کے نتیجے میں کہیں دماغ میں یہ خناس نہ پیدا ہو جائے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں اور دوسرے سب لوگ مجھ سے حقیر اور چھوٹے ہیں، چنانچہ اس کے علاج کے طور پر یہ کام کر رہے ہیں۔

حضرت حذیفہ ﷺ کا اپنا علاج کرنا

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فاتح ایران ہیں اور کسریٰ کو شکست فاش دینے والے ہیں اور جنہوں نے اپنی تقریر سے کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار اور صاحب السِر تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مدائن بھیجا کہ آپ جا کر مدائن کے گورنر بن جائیں۔ یہ مدائن ایران کا دارالحکومت تھا اور ایران اس وقت دنیا کی سپر پاور تھی۔ آپ اندازہ کر لیں کہ اس کا دارالحکومت کس شان وشوکت کا ہوگا، جیسے آج کل واشنگٹن یا ماسکو، میں نے خود کسریٰ کا وہ محل دیکھا ہے، آج بھی اس کا شکوہ انسان کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا جبکہ وہ محل کھنڈر ہو گیا ہے، البتہ دیواریں ابھی تک کھڑی ہیں۔ بہرحال! جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن کے گورنر بن کر گئے تو اس وقت وہ ایک گدھے پر

سوار تھے جو اس وقت بالکل ادنیٰ درجے کی سواری تھی اور ان کا بھی معمول یہ تھا کہ سارا دن حکومت کے کام انجام دیتے اور شام کے وقت بازار میں عام تاجروں کی طرح اپنا سامان فروخت کرتے تاکہ اپنا روزگار حاصل کریں، اگرچہ حکومت کے کاموں پر تنخواہ لینا جائز تھا لیکن اس تجارت کے کرنے سے اصل مقصد یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت کرنے کے نتیجے میں تکبر اور عجب طبیعت میں پیدا ہو جائے۔ اس کے علاج کے طور پر آپ اس طرح عام انسانوں کی طرح تجارت کیا کرتے تھے۔

مشائخ کے تجویز کردہ علاج بدعت نہیں

لہٰذا حضرات صوفیاء کرام اور مشائخ اپنے زیر تربیت افراد کے لئے اس قسم کے جو علاج تجویز کرتے ہیں، اس کی اصل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ان اعمال میں موجود ہے۔ بعض حضرات صوفیاء اور مشائخ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو علاج یہ تجویز کرتے ہیں یا جو مجاہدات اور ریاضتیں کراتے ہیں، یہ سب بدعت ہیں، لیکن میں نے آپ حضرات کے سامنے جو مثالیں پیش کیں، یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ تھا، وہ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے یہ کام کیا کرتے تھے اور حضرات صوفیاء کرام نے انہیں کے طرز عمل سے یہ طریقے اور علاج تجویز کئے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور اصلاح باطن

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں صرف کتابیں نہیں پڑھائی جاتی

تھیں بلکہ ایک ایک بات کی تربیت کی جاتی تھی، اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کی جو تاریخ تاسیس ہے، وہ ''در مدرسہ خانقاہ دیدیم'' ہے یعنی ہم نے مدرسہ میں خانقاہ دیکھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ علوم پڑھانے کا مدرسہ تو ہے لیکن ساتھ میں یہ خانقاہ بھی ہے، یہاں لوگوں کو تربیت دی جاتی ہے اور اہل اللہ تیار کئے جاتے ہیں، اللہ والے تیار کئے جاتے ہیں، چنانچہ اساتذہ اپنے شاگردوں کو صرف سبق ہی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ ان کے امراض باطنہ کی اصلاح کی بھی فکر کیا کرتے تھے۔

حضرت گنگوہیؒ اور تربیت طلباء

ہمارے سیّد الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرّہ کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ارواحِ ثلاثہ'' میں لکھا ہے کہ جب وہ کسی طالب علم کو دیکھتے کہ اس کے اندر تکبر اور عجب کی علامات ہیں تو اس کو مثلاً اس قسم کے کام پر لگاتے کہ تم لوگوں کے جوتے سیدھے کیا کرو اور جب کسی طالب علم کے اندر دیکھتے کہ اس کے اندر تواضع ہے تو خود اس کے جوتے اٹھالیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی، بارش کی وجہ سے اس جگہ سے اٹھنا پڑا تو طلبہ تو اپنی اپنی کتابیں اٹھا کر اندر جانے لگے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ان طلباء کے جوتے سمیٹ کر اندر تشریف لے گئے۔ لہذا ایک طرف اپنے شاگردوں کی بھی تربیت فرمارہے ہیں اور دوسری طرف خود

اپنے عمل سے یہ بتا رہے ہیں کہ یہ کام ایسا نہیں ہے کہ تم اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھ لو۔

مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور تواضع

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کہیں سفر پر جانے لگے، حضرت والد صاحبؒ اور دارالعلوم دیوبند کے دوسرے اساتذہ جو حضرت مولانا کے شاگرد تھے وہ بھی سفر میں ساتھ تھے، جب روانہ ہونے لگے تو حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب کچھ لوگ سفر پر روانہ ہوں تو وہ اپنا ایک امیر مقرر کرلیا کریں، لہٰذا ایک کو امیر بنالیا جائے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ امیر بنانے کی کیا ضرورت ہے، امیر تو بنے بنائے ہیں، مطلب یہ تھا کہ آپ ہمارے امیر ہیں، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم مجھے امیر بنانا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں، آپ کی موجودگی میں اور کون امیر بنے گا، فرمایا کہ جب کسی کو امیر بنایا جاتا ہے تو اس کا حکم ماننا پڑتا ہے۔ اور امیر کی اطاعت کرنی پڑتی ہے؟ ہم نے کہا کہ انشاء اللہ ہم آپ کا حکم مانیں گے، فرمایا کہ بس ٹھیک ہے۔ چنانچہ ہم سب دارالعلوم دیوبند سے روانہ ہوکر اسٹیشن پہنچے، تھوڑی دیر کے بعد ریل آگئی تو حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے دو چار بستر اٹھائے اور ریل کی طرف چل پڑے، ہم شاگردوں نے کہا کہ حضرت! یہ

کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ نہیں، امیر کا حکم ماننا ہوگا، چنانچہ استاذ صاحب سامان اٹھائے جا رہے ہیں اور شاگرد پیچھے پیچھے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد جہاں کہیں سفر میں کوئی خدمت کا موقع آتا تو مولانا آگے بڑھ کر وہ خدمت انجام دیدیتے اور جب ہم کہتے کہ یہ کام ہم کر لیتے تو فرماتے کہ نہیں، امیر کا حکم ہے، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ امیر کا حکم ماننے نے ہمیں سارے سفر میں زچ کر دیا۔ یہ تھے ہمارے حضرات اکابر، آج ہم لوگوں نے اپنی طرف سے اپنی شانیں بنا رکھی ہیں کہ یہ کام ہماری شان کے خلاف ہے، یہی طرز عین تکبر ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ اور تواضع

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں، ان کی ولایت اور ان کے علم وتقویٰ کی بڑی شہرت تھی، چنانچہ لوگ ان کی زیارت کرنے کے لئے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ ایک بڑے میاں نے ان کی شہرت سن کر ان کی زیارت کے لئے کاندھلہ کا سفر کیا، پیدل جا رہے تھے، ہاتھ میں کچھ سامان بھی تھا، سامان ذرا وزنی تھا، اس لئے کچھ دور چل کر سامان زمین پر رکھ دیتے اور کچھ دیر آرام کر کے پھر سامان اٹھا کر چل پڑتے، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اتفاق سے کسی اور شہر سے آ رہے تھے، راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک بڑے میاں سامان اٹھا کر جا رہے ہیں لیکن سامان بوجھل ہونے کی وجہ

سے کچھ دیر چل کر رکھ دیتے ہیں اور وہ سامان ان سے اٹھایا نہیں جا رہا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے جب انکو اس حال میں دیکھا تو ان سے فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا سامان اٹھالوں؟ بڑے میاں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، اگر آپ اٹھالیں تو بڑی مہربانی ہوگی، خیر! حضرت مولاناؒ نے وہ سامان اٹھالیا اور چل پڑے۔

راستے میں آپس میں باتیں ہونے لگیں، آپ نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ بڑے میاں نے کہا کہ میں کاندھلہ جا رہا ہوں، مولانا نے پوچھا کہ کیوں جا رہے ہو؟ بڑے میاں نے جواب دیا کہ سنا ہے کہ وہاں ایک بڑے مولانا صاحب ہیں اور ان کا نام مولانا مظفر حسین صاحب ہے، ان کی زیارت کرنے جا رہا ہوں۔ پھر بڑے میاں نے پوچھا کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں بھی کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ بڑے میاں نے پوچھا کہ آپ مولانا مظفر حسین صاحب کو جانتے ہو؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں! میں جانتا ہوں۔ بڑے میاں نے کہا کہ وہ تو بڑے عالم ہیں، بڑے اللہ کے ولی ہیں، متقی بزرگ ہیں، مولانا نے فرمایا کہ ہاں نماز تو پڑھتے ہیں۔ سارا راستہ اسی طرح قطع کیا۔

جب کاندھلہ شروع ہوگیا اور لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اس طرح سامان کندھے پر رکھ کر جا رہے ہیں تو ہر آدمی سامان اٹھانے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے، کوئی آپ کی عزت کر رہا ہے، کوئی سلام کر رہا ہے، اب بڑے میاں یہ صورت حال دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے کہ یہ کیا قصہ ہے؟ بعد میں

بڑے میاں کو پتہ چلا کہ یہی مولانا مظفر حسین صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اس دور میں حضرات صحابہ کرامؓ کے اخلاق کا نمونہ بنایا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ اور تواضع

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خسر صاحب بڑے نواب زادے تھے اور امیر گھرانے کے آدمی تھے، ان کے والد کو خیال آیا کہ ان کو پڑھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیج دیں، دارالعلوم دیوبند میں تو سادہ رہائش تھی، ان کے والد صاحب نے سوچا کہ دارالعلوم دیوبند میں جو رہائشی کمرے ہیں، ان میں ان کا قیام کرنا تو مشکل ہوگا، چنانچہ یہ اپنے بیٹے کو داخلہ کیلئے دارالعلوم لیکر آئے، داخلہ ہوگیا اور مسجد کے حجرے میں قیام کا انتظام ہوگیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے والد کے تعلقات تھے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے کہ یہ نواب زادے ہیں، لہٰذا شیخ الہندؒ کو گھر میں بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ یہ بیچارہ پڑھنے کے لئے آیا ہے اور مسجد کے حجرے میں قیام ہے، اب یہ اس حجرے میں فرش پر سوئے گا اور آج سے پہلے کبھی فرش پر سویا نہیں ہوگا، اس لئے اس کو فرش پر سونے میں زحمت ہوگی، چنانچہ آپ نے اپنے گھر سے ایک چارپائی اٹھائی اور اس کو کندھے پر رکھ کر اس کے حجرے تک لے گئے۔ دیکھئے! ایک طرف شیخ الہند ہیں بلکہ بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے "شیخ العرب والعجم" ہیں، اپنے ایک ہونے والے شاگرد کے لئے کندھے پر چارپائی اٹھائے لے جا رہے ہیں، دوسری طرف

حضرت شیخ الہندؒ کو یہ خیال ہوا کہ جب یہ شاگرد مجھے دیکھے گا کہ میں چارپائی اٹھا کر لا رہا ہوں تو اس کو شرمندگی ہوگی کہ اتنے بڑے آدمی میرے خاطر چارپائی اٹھا کر لائے، اس لئے آپ نے یہ کیا کہ جب حجرے کے قریب پہنچے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ لو میاں صاحب زادے، اپنی چارپائی اٹھاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں، اپنی چارپائی خود اٹھاؤ۔ یہ الفاظ اس لئے کہے تاکہ اس کی شرمندگی کا تھوڑا سا ازالہ ہو جائے۔

عزت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

بہرحال! کہنا یہ تھا کہ یہ جو اپنی شان بنانے والی بات ہے، بس شیطان اسی سے انسان کی راہ مارتا ہے کہ فلاں کام میری شان کے خلاف ہے۔ ارے تم کیا اور تمہاری شان کیا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کے دلوں میں تمہاری عزت پیدا فرما دی، یہ ان کا کرم ہے، اگر لوگوں کو تمہاری حقیقت حال کا پتہ لگ جائے تو لوگ تم سے نفرت کریں، تھوتھو کریں، یہ تو اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرما رکھی ہے، اللہ تعالیٰ نے ستاری فرما رکھی ہے، اس وجہ سے لوگ عزت کر رہے ہیں، یہ عزت تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، شان بنانے سے عزت نہیں ملتی۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

(سورۃ منافقون: آیت ۸)

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔

(سورۃ آل عمران: آیت ۲۶)

جب وہ کسی کو عزت دیتے ہیں تو پھٹے ہوئے اور میلے کپڑوں میں عزت دیدیتے ہیں اور اگر وہ عزت نہ دیں بلکہ ذلیل کردیں تو تاج اور تخت کی موجودگی میں ذلیل کردیتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال کہ فلاں کام میری شان کے مطابق ہے اور فلاں کام میری شان کے خلاف ہے، یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے اور تکبر اور عُجب پیدا کرنے کا راستہ ہے، اس خیال کو ختم کرو، کوئی کام شان کے خلاف نہیں، تم ہو کیا؟ ارے تم مٹی سے بنے ہو، مٹی میں واپس جاؤ گے، جب یہ بات ہے تو پھر کونسا کام تمہاری شان کے خلاف ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور تواضع

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند تھے اور حضرت والد صاحبؒ کے استاد تھے، آج ان کے فتاویٰ ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے دس جلدوں میں چھپے ہوئے ہیں، وہ بھی ابھی پورے نہیں چھپے۔ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ جب صبح گھر سے مدرسہ جاتے تو مدرسہ کے آس پاس جو بیواؤں کے گھر تھے، ان سے جاکر پوچھتے کہ بی بی اگر تمہیں بازار سے کچھ سودا منگوانا ہو تو بتادو، میں لادیتا ہوں۔ چنانچہ وہ بیوائیں بتادیتیں کہ فلاں چیز بازار سے لادیں، چار پانچ بیواؤں کے گھر سے سودا پوچھتے، پھر بازار تشریف لے جاتے اور وہاں سے سودا خریدتے، کسی کے لئے پیاز، کسی کے لئے ٹماٹر، کسی کے لئے آلو، کسی کے لئے بھنڈی، کسی کے لئے لہسن وغیرہ خریدتے اور پھر گھر

گھر ان کو پہنچاتے۔ بعض اوقات یہ ہوتا کہ کوئی خاتون کہتیں کہ مولوی صاحب! میں نے آپ سے فلاں چیز کہی تھی، آپ فلاں چیز اٹھالائے، آپ فرماتے کہ اچھابی بی کوئی بات نہیں، میں بدل کر لے آتا ہوں۔ کوئی خاتون کہتیں کہ میں نے آدھا سیر کہا تھا، آپ تین پاؤ اٹھالائے، آپ فرماتے کہ اچھا بی بی کوئی بات نہیں، میں ابھی واپس کر آتا ہوں۔ یہ سب کام کرنے کے بعد مدرسہ میں تشریف لے جاتے اور فتوے لکھا کرتے، یہ تھے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور تواضع

ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ایسا ہی دیکھا، کبھی اپنی شان بنانے کا تصور ان کے ذہن میں آیا ہی نہیں، عام آدمی کی طرح ہاتھ میں پتیلی لے کر بازار میں دودھ خرید رہے ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ دکان سے پتیلی میں دودھ خرید کر لے جا رہے ہیں، اگلے دن حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والد صاحبؒ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ مفتی صاحب! اب آپ مفتی دارالعلوم دیوبند ہوگئے ہیں، آپ یہ جو پتیلی لے کر بازار میں دودھ خریدنے کے لئے پھرتے ہیں، یہ اب آپ کے لئے مناسب نہیں، آپ کو تھوڑی سی احتیاط کرنی چاہئے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ خود اپنے دل میں اپنی شان نہ ہو اور وہ کام شان کے خلاف نہ ہو لیکن

بعض اوقات ایسے کام کرنے سے لوگوں کے دلوں میں اعتقاد کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کا اعتقاد ہو۔ اس لئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب آپ یہ کام نہ کیا کریں، لیکن والد صاحب کو ایسے کام کرنے میں کوئی تامل نہیں تھا، اس لئے کہ اپنے دل میں کبھی اپنی شان بنانے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں ان کو عزت عطا فرمائی اور بڑوں بڑوں کو ان کے سامنے جھکایا، اسی لباس و پوشاک میں، اسی حلیہ میں، اسی انداز زندگی میں بڑے بڑے وزراء اور امراء سب آکر پانی بھرتے تھے، یہ عزت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔

شان بنانے کی فکر مت کرو

میاں! عزت تو اللہ جل جلالہ کی عطا ہے، انسان کو اپنی شان بنانے سے عزت نہیں ملتی، نہ کپڑوں سے عزت ملتی ہے، نہ جوتوں سے عزت ملتی ہے، نہ ٹوپی سے عزت ملتی ہے، نہ لباس پوشاک سے عزت ملتی ہے، نہ ٹھاٹ باٹ سے عزت ملتی ہے، یہ تو اللہ جل جلالہ کی عطا ہے، جب عطا فرمانا چاہتے ہیں تو جھونپڑی میں عطا فرما دیتے ہیں۔ دیکھئے! بڑے بڑے محلات میں رہنے والے، بڑی بڑی کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہنے والے، لوگ ان کے بنگلوں اور کوٹھیوں اور ان کی شان و شوکت کو دیکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان پر لعنت بھیجتے ہیں، یہ تو کوئی عزت نہ ہوئی بلکہ یہ تو ذلت ہے۔ بہرحال! کسی عمل کو اپنی شان کے خلاف سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔

تکبر بہت سے گناہوں کی جڑ ہے

اللہ بچائے، جب ایک مرتبہ دل میں تکبر اور اپنی شان کا تصور پیدا ہو جاتا ہے تو یہ اتنے امراض کی جڑ ہے اور اتنی بیماریوں کا سرچشمہ ہے کہ جس کی کوئی حد ونہایت نہیں، غصہ اس سے پیدا ہوتا ہے، کینہ اس سے پیدا ہوتا ہے، حسد اس سے پیدا ہوتا ہے، ایذاء رسانی اس سے پیدا ہوتی ہے، ناانصافیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں، خدا جانے کتنی بیماریوں کی جڑ یہ تکبر ہے، آدمی اپنے دل میں یہ سمجھتا رہتا ہے کہ میں بڑا ہوں اور حقیقت میں وہ چھوٹا ہوتا ہے۔

ایک خوبصورت دعا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْراً وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْراً۔

اے اللہ! مجھے اپنی آنکھ میں چھوٹا بنا اور دوسروں کی آنکھ میں بڑا بنا۔ کیا عجیب وغریب دعا تلقین فرمائی کہ میں اپنی آنکھ میں تو چھوٹا رہوں اور اپنے آپ کو میں چھوٹا سمجھوں لیکن لوگوں کی آنکھ میں بڑا رہوں۔ کیوں بڑا رہوں؟ وہی بات جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی کہ اگر میں لوگوں کی آنکھ میں بڑا نہ ہوں گا تو لوگ مجھے تکلیف پہنچائیں گے اور مجھے پریشان کریں گے اور اگر میں ان کی نظر میں بڑا ہوں گا تو ان کی تکلیف سے اور ان کی ایذاء سے بچا رہوں گا،

اس وجہ سے دوسروں کی نظر میں بڑا بننا مقصود ہے، گویا کہ جلب منفعت مقصود نہیں بلکہ دفعِ مضرت مقصود ہے تا کہ میں ان کی ایذاء سے بچا رہوں، لیکن اپنی نظر میں اپنے آپ کو ہمیشہ چھوٹا ہی سمجھتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ چیز ہم سب کو عطا فرما دے۔ آمین۔ جب ایک مرتبہ یہ حقیقت ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ ہم کیا اور ہماری شان کیا اور دل میں تواضع آ جاتی ہے تو پھر اس کے بعد یہ بیماریاں خود بخود رفع ہو جاتی ہیں۔

تکبر کا بہترین علاج نعمتوں پر شکر

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے تکبر کا ایک علاج بیان فرمایا، بڑے کام کا علاج ہے، ہزار مجاہدات ایک طرف اور یہ علاج ایک طرف۔ فرمایا کہ جب کبھی اپنی کسی اچھائی کی طرف دھیان جائے، اپنی جسمانی صحت کی طرف، یا اپنے علم کی طرف، اپنی عبادت کی طرف، اپنے تقویٰ کی طرف، اپنے لباس پوشاک وغیرہ کی طرف دھیان جائے اور یہ خیال ہو کہ یہ بات میرے اندر اچھی ہے تو فوراً اس پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرو اور شکر کا معنیٰ سمجھ کر شکر ادا کرو۔ شکر کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی شخص نے تم پر کوئی احسان کیا، اس احسان کے اعتراف کا نام ''شکر'' ہے، اور یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ میں اس چیز کا مستحق تو نہیں تھا لیکن آپ نے اپنی شرافت سے اور اپنے احسان سے مجھے یہ چیز عطا فرمائی۔

شکریہ کا مستحق کون؟

مثلاً ایک شخص کا دوسرے کے ذمے قرض تھا، ایک سال سے وہ قرض لئے بیٹھا تھا، سال بھر کے بعد اس نے وہ قرض لاکر واپس کیا، یہ قرض واپس کرکے اس نے کیا کوئی احسان کیا؟ نہیں، بلکہ احسان تو قرض دینے والے نے کیا تھا، جو شخص ایک سال کے بعد قرض واپس کر رہا ہے وہ شکریہ کا مستحق نہیں، کیونکہ وہ تو اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے، شکریہ کا مستحق وہ ہوتا ہے جو اپنے فریضے سے آگے بڑھ کر کوئی اچھائی کرے، اب جو شخص ہمارے ساتھ اچھائی کا معاملہ کر رہا ہے اور ہم اس اچھائی کے مستحق اور دعویدار نہیں تھے لیکن اس نے ہمارے ساتھ یہ اچھائی کی تو اب وہ شکریہ کا مستحق ہوگا۔

شکر میں عدم استحقاق کا اعتراف

لہٰذا جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، اس شکر کے اندر یہ اعتراف موجود ہوگا کہ اے اللہ! میں اس نعمت کا مستحق نہیں تھا لیکن اے اللہ! آپ نے مجھے اپنے فضل وکرم سے یہ نعمت عطا فرمائی، اگر میری صحت اچھی ہے تو آپ کا فضل وکرم ہے، میں اس کا مستحق نہیں تھا، اگر میرے پاس کوئی علم ہے تو اے اللہ! آپ کا فضل وکرم ہے، میں تو اپنی ذات میں اس علم کا اہل نہیں تھا، آپ نے اپنے فضل وکرم سے یہ علم مجھے عطا فرمایا ہے، اگر مجھے کسی عبادت کی توفیق ہوئی ہے تو وہ بھی اے اللہ! آپ کا کرم ہے۔

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

اور جگر صاحب کا بہت خوبصورت شعر ہے کہ:

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

لہٰذا جو کچھ توفیق ہو رہی ہے، عبادت کی، نماز کی، روزے کی، تراویح کی، تلاوت کی، ذکر کی، تسبیح کی، یہ سب انہی کی طرف سے ہو رہی ہے، کیا تمہارے بس میں تھا کہ یہ عبادات انجام دیے لیتے؟ یہ کسی نے توفیق عطا فرمائی ہے تب ہی یہ عبادت ہو رہی ہے۔ لہٰذا کس بات پر ناز کرتے ہو کہ میں نے فلاں کام کر لیا، میں نے فلاں کام کر لیا، ارے تم تو لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم کی طرح ہو، لکھ کوئی اور رہا ہے لیکن نسبت قلم کی طرف ہو رہی ہے۔

اداء شکر کی کثرت کرو

بہر حال! جو کچھ اعمال کی توفیق ہو رہی ہے وہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ہو رہی ہے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا۔

اے اللہ! اگر آپ کی توفیق نہ ہوتی تو نہ ہم ہدایت پاتے، نہ ہمیں صدقہ کرنے کی توفیق ہوتی، نہ ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی۔ لہٰذا جب ان کی توفیق سے سب کام ہو رہے ہیں تو میاں یہ مقام تو شکر کا ہے:

اَللّٰھُمَّ لك الحمد ولك الشکر

اسی لئے فرمایا کہ جب کوئی عبادت کرو تو عبادت کے بعد کہو:

الحمد للّٰہ ، استغفر اللّٰہ

اے اللہ، آپ کا کرم ہے کہ آپ نے یہ عبادت مجھ سے کروادی اور اس عبادت کے اندر مجھ سے جو کوتاہیاں ہوئیں، میں ان پر آپ سے استغفار کرتا ہوں۔

خلاصہ

لہٰذا جب کبھی کسی شخص کو اپنی کسی اچھائی کا خیال آئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس استحضار کے ساتھ شکر ادا کرے کہ میرے بس میں نہیں تھا، جو کچھ اچھائی ہے، ان کی عطاء ہے۔ جب ان کی عطاء ہے تو پھر نہ تو ہمارے اترانے کا کوئی موقع ہے اور نہ اکڑنے کا اور ناز کرنے کا کوئی موقع ہے، سب کچھ ان کی عطاء اور ان کا فضل و کرم ہے، جب چاہیں وہ یہ اچھائی چھین لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس تکبر کے عذاب سے نجات عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



مجلس نمبر ۶۷

گناہوں کا علاج: توبہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۷۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

گناہوں کا علاج: توبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ اَمَّا بَعْدُ!

روزے کا مقصد تقویٰ کا حصول

اس کتاب ''انفاس عیسیٰ'' میں آگے توبہ کا بیان ہے۔ توبہ سے متعلق بہت سی باتیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بیان فرمائی ہیں جو بڑے

فائدے کی ہیں۔ یہ بیان ہمارے مناسب حال بھی ہے، کیونکہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا مہینہ ہے اور اس مہینے کا صحیح فائدہ یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں انسان اپنے تمام پچھلے گناہوں سے تائب ہو جائے اور آئندہ کے لئے اپنی زندگی کو اللہ جل جلالہ کے احکام کے مطابق بنانے کا عزم تازہ کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

(سورۃ البقرۃ: آیت ۱۸۳)

یعنی اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ پچھلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو۔ پورے مہینے بھر کی جو ریاضت اور کورس ہے، اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اپنے دل میں تقویٰ پیدا کیا جائے اور تقویٰ پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے دل میں یہ فکر پیدا ہو جائے کہ ماضی میں مجھ سے جو کچھ ہوا، اس سے توبہ کرلوں اور آئندہ کے لئے اس بات کا عزم کرے کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزاروں گا۔ اس لئے یہ توبہ کا بیان ہمارے مناسب حال ہے اور توبہ کی بہت سی جزئیات حضرت والا نے یہاں بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اصلاح نفس کی پہلی سیڑھی "توبہ"

توبہ اصلاح نفس کی پہلی سیڑھی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی

اصلاح کے لئے قدم اٹھائے تو سب سے پہلے اس کا کام یہ ہے کہ وہ "توبہ" کی تکمیل کرے، یعنی گزشتہ زمانے میں جو گناہ اور غلطیاں اس سے سرزد ہوئیں، ان سب سے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں توبہ کا بیان شروع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اوّل اقدام المریدین التوبة" یعنی وہ مریدین جو اپنی اصلاح نفس کا ارادہ لے کر کسی شیخ کے پاس جائیں تو ان کا سب سے پہلا کام "تکمیل توبہ" ہے۔ اسی لئے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی اصلاح کی فکر عطاء فرماتے ہیں اور وہ شخص اپنی اصلاح کے لئے کسی شیخ کے پاس جاتا ہے تو اس کو سب سے پہلا کام جو تلقین کیا جاتا ہے، وہ "تکمیل توبہ" ہے۔ یعنی پہلے اپنے تمام سابقہ گناہوں سے سچی توبہ کرلے اور اپنے آپ کو ان گناہوں اور نجاستوں سے دھولے جن کے اندر ماضی کے ایام گزرے ہیں، جب توبہ کرکے نئی زندگی شروع کرلے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت متوجہ ہوگی، اس لئے توبہ کی بڑی اہمیت ہے اور اصلاحِ نفس کی طرف جانے والی سب سے پہلی سیڑھی ہے۔

توبہ اجمالی

پھر توبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک اجمالی توبہ اور ایک تفصیلی توبہ۔ اجمالی توبہ یہ ہے کہ اب تک جتنے گناہ ہو چکے ہیں، ایک مرتبہ بیٹھ کر ان سب سے یکبارگی اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرلے اور توبہ کرنے سے پہلے دو رکعت "صلوٰۃ التوبہ" کی نیت سے پڑھے اور اس کے بعد یہ کہے کہ اے اللہ! اب تک مجھ سے جتنے

گناہ ہوئے ہیں، جتنی غلطیاں ہوئی ہیں اور جتنی کوتاہیاں ہوئی ہیں، اے اللہ! میں ان سب سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ استغفار کرتا ہوں اور پکا ارادہ کرتا ہوں کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا، یہ ہے "توبہ اجمالی" جو سب سے پہلا کام ہے۔

توبہ تفصیلی

اس کے بعد دوسرے نمبر پر "توبہ تفصیلی" ہے۔ توبہ تفصیلی یہ ہے کہ جتنے گناہ ہوئے ہیں، ان میں سے جن گناہوں کی تلافی ممکن ہے، ان گناہوں کی تلافی کی جائے۔

تلافی ممکن ہو تو تلافی کرنی ہوگی

توبہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس گناہ کی معافی مانگ رہے ہو، اگر اس کی کوئی تلافی ممکن ہے تو وہ تلافی کرنی ہوگی، مثلاً کسی دوسرے شخص کے پیسے کھالئے اور اب بیٹھ کر توبہ کر رہا ہے کہ یا اللہ! مجھے معاف کر دے، یہ توبہ قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ جس شخص کے پیسے کھائے ہیں، جب تک اس کے پیسے نہیں لوٹاؤ گے یا جب تک اس سے معاف نہیں کراؤ گے، اس وقت تک توبہ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں پر تلافی ممکن ہے۔ یا مثلاً کسی کا دل دکھایا یا کسی کو تکلیف پہنچائی، اس کی تلافی ممکن ہے، وہ یہ کہ اس سے جا کر معافی مانگ لو۔

یہی قاعدہ حقوق اللہ سے توبہ کرنے کے بارے میں بھی ہے، مثلاً آپ نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، چونکہ اس کی تلافی کرنی ممکن ہے، اس لئے زکوٰۃ ادا کرنی

ہوگی، لہٰذا توبہ کے ساتھ تلافی بھی کرو۔ اسی طرح اگر نمازیں رہ گئی ہیں یا روزے رہ گئے ہیں تو پہلے ان کی تلافی کرو اور پھر معافی مانگو۔

قضاءِ عمری کا حکم

آج کل یہ مسئلہ بہت زور و شور سے پھیلایا جارہا ہے کہ قضاء عمری کوئی چیز نہیں، دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "الاسلام یجبّ ماکان قبلہ" یعنی اگر کوئی شخص نیا مسلمان ہو تو اسلام لانے سے پہلے جو اس نے گناہ کئے تھے، اسلام لانے سے وہ سب ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص ستر سال کی عمر میں اسلام لایا تو اب اسلام لانے کے بعد گزشتہ ستر سال کی نمازیں قضاء کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جب وہ آج اسلام لایا تو اب آج ہی سے نمازیں شروع کردے۔

توبہ کو اسلام لانے پر قیاس کرنا

بعض لوگوں نے اسلام لانے پر "توبہ" کرنے کو بھی قیاس کرلیا، وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ساری عمر نمازیں نہیں پڑھیں، اب توبہ کرلی تو اب گزشتہ زمانے کی نمازیں قضاء کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ توبہ کو اسلام پر قیاس کرنا درست نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص ابھی مسلمان ہوا ہے، وہ جب کافر تھا تو اس کفر کے زمانے میں وہ فروع کا مخاطب ہی نہیں تھا، اس کو تو یہ حکم تھا کہ پہلے اسلام لا، اس زمانے میں اس پر نماز فرض نہیں تھی، کیونکہ نماز تو اس وقت فرض ہوگی جب

وہ مسلمان ہوگا، اس لئے گزشتہ زمانے کی نمازیں اس پر قضاء کرنی ضروری نہیں۔

بخلاف مسلمان کے، اس پر تو بالغ ہوتے ہی نماز فرض ہوگئی اور جب اس نے وہ نمازیں نہیں پڑھیں تو وہ اس کے ذمے پر باقی رہیں، ایک عرصہ دراز کے بعد جب اس نے نماز چھوڑنے کے گناہ سے توبہ کی تو توبہ کا اصول یہ ہے کہ جس گناہ سے توبہ کی ہے، اگر اس کی تلافی ممکن ہے تو تلافی کئے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی، لہٰذا اس کے ذمے ان نمازوں کی قضاء ضروری ہوگی۔ اسی طرح اگر روزے چھوڑے ہیں تو ان روزوں کی قضاء کرنی ہوگی، کیونکہ روزے اس کے ذمے باقی ہیں۔

توبہ سے نمازیں معاف نہیں ہونگی

ورنہ اس کی تو کوئی معقول وجہ نہیں کہ ایک شخص تو اسی سال تک مسلسل نماز پڑھتا رہے اور دوسرا شخص اسی سال تک نماز نہ پڑھے اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرلے کہ یا اللہ! میں توبہ استغفار کرتا ہوں اور اس توبہ کے نتیجے میں اس کی ساری نمازیں معاف ہو جائیں، یہ تو کوئی معقول بات نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک دن کی نمازیں قضاء ہو جائیں تو ان کو قضاء کرلو اور پڑھ لو لیکن اگر ایک دن سے زیادہ کی نمازیں قضاء ہو جائیں تو ان کو قضاء کرنے کی ضرورت نہیں، صرف توبہ کرلو۔ یہ عجیب مسئلہ اپنی طرف سے بنالیا ہے، اس کے ذریعہ لوگوں کے ہاتھ میں بڑا اچھا نسخہ آگیا کہ جب نمازیں قضاء ہو جائیں تو ان کو ایک دن سے زیادہ کرلو اور اس کے بعد توبہ کرلو، یہ سب

فضول باتیں ہیں، کیونکہ توبہ کا اصول یہ ہے کہ جس کی تلافی ممکن ہے، اس کی تلافی کئے بغیر توبہ قبول نہیں ہوتی۔

شراب سے توبہ

مثلاً ایک شخص بہت عرصے تک شراب پیتا رہا، اب توبہ کرنے کی توفیق ہوئی تو بس توبہ کرلینا کافی ہے، کیونکہ اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، تلافی کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔

چوری سے توبہ

یا مثلاً کسی شخص نے کچھ پیسے چوری کئے اور کھالئے، بعد میں توبہ کی توفیق ہوئی تو اس کی تلافی ممکن ہے، وہ اس طرح کہ جس کے پیسے چوری کئے تھے، اس کو پیسے واپس کرے یا اس سے معاف کرائے، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ نہ دینے سے توبہ

یا مثلاً گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، اب توبہ کی توفیق ہوئی تو جب تک گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، اس وقت تک توبہ قبول نہیں ہوگی، یہی معاملہ نمازوں کا اور روزوں کا ہے کہ جب تک ان کو ادا نہیں کرے گا، صرف توبہ کرلینے سے معاف نہیں ہوں گے۔

نمازیں ادا کرے اور وصیت بھی کرے

بہر حال! توبہ تفصیلی یہ ہے کہ انسان اپنی گزشتہ زندگی کا جائزہ لے کر دیکھے کہ میرے ذمے اللہ تعالیٰ کے یا بندوں کے حقوق کچھ واجب ہیں یا نہیں؟ حقوق اللہ میں نماز کو دیکھے کہ میرے ذمے کتنی نمازیں باقی ہیں، ان کو قضاء کرنے کی فکر کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مستقل کاپی بنائے، اس کاپی کے اندر یہ لکھے کہ میرے ذمے اتنی نمازیں باقی ہیں، اگر پوری طرح یاد نہ ہوں تو ایک احتیاطی تخمینہ لگا کر ان کی تعداد لکھے اور یہ لکھے کہ میں آج فلاں تاریخ سے ان نمازوں کی ادائیگی شروع کر رہا ہوں اور ہر نماز کے ساتھ ایک سابقہ نماز کی قضاء کروں گا اور جتنی نمازیں ادا کرلوں گا وہ اس کاپی کے اندر درج کردوں گا، اگر میں ان نمازوں کو قضاء کئے بغیر مرجاؤں تو میں اپنے ورثاء کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے مال سے ان نمازوں کا فدیہ ادا کردیں۔

بلا وصیت فدیہ ادا کرنا واجب نہیں

اگر کوئی شخص اس طرح وصیت نہیں کرے گا تو پھر اگرچہ یہ شخص لاکھوں روپے ترکہ میں چھوڑ کر چلا جائے، پھر بھی وارثوں کے ذمے نمازوں کا فدیہ ادا کرنا واجب نہیں ہوگا، وارثوں پر نماز روزوں کا فدیہ ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب مرنے والا وصیت کر جائے، اور یہ واجب بھی کل مال کے ایک تہائی کی حد تک واجب ہوگا، ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

زکوۃ روزے ادا کرے اور وصیت کرے

یہی معاملہ روزوں کا ہے۔ اب تک زندگی میں جتنے روزے چھوڑے ہیں، ان کو کاپی کے اندر لکھ لے، اگر یقینی تعداد یاد نہ ہو تو اندازے سے ایک احتیاطی تعداد لکھ لے، پھر ان کو ادا کرنا شروع کرے اور کاپی میں لکھتا رہے کہ میں نے اتنے روزے ادا کر لئے اور اس کاپی میں یہ وصیت بھی لکھے کہ اگر اس دوران میرا انتقال ہو جائے تو میرے ترکہ میں سے بقیہ روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اسی طرح زکوۃ کا حساب کرے کہ گزشتہ سالوں میں میرے اوپر کتنی زکوۃ فرض ہوئی جو میں نے اب تک ادا نہیں کی، پھر اس کو کاپی کے اندر درج کرے اور اس کو ادا کرنا شروع کرے اور کاپی میں لکھتا رہے، اور یہ وصیت بھی لکھدے کہ اگر اس دوران میرا انتقال ہو جائے تو بقیہ زکوۃ میرے مال میں سے ادا کر دی جائے، یہ توبہ تفصیلی ہے۔ بہر حال! اصلاح نفس کے لئے جب کوئی شخص کسی شیخ کے پاس جاتا ہے تو اس سے یہ دونوں کام کرائے جاتے ہیں، ایک توبہ اجمالی اور ایک توبہ تفصیلی۔ توبہ کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی جزئیات یہاں بیان فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

گناہ نہ کرنے کا عزم دھرارہ جاتا ہے

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ

ہر ہفتہ توبہ کرتا ہوں لیکن بعد ایک روز کے تمام تہیہ

وغیرہ غارت ہو جاتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ۱۹۴)

یہ وہ حالت ہے جو تقریباً ہر ایک کو زندگی میں پیش آتی ہے کہ توبہ کر لی اور ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے تمام پچھلے گناہوں سے معافی مانگ لی اور تہیہ اور عزم بھی کر لیا کہ آئندہ گناہ نہیں کریں گے، لیکن اگلے دن ہی وہ سب تہیہ اور عزم غارت ہو جاتا ہے، یعنی جس وقت گناہ نہ کرنے کا عزم کیا تھا، اس وقت تو بڑا پکا عزم اور ارادہ تھا کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کریں گے، لیکن جب کچھ وقت گزرتا ہے اور حالات اور واقعات سامنے آتے ہیں تو وہ سارا عزم دھرا رہ جاتا ہے اور آدمی دوبارہ اس گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، اکثر و بیشتر یہ حالت ہر ایک کو پیش آتی ہے۔

توبہ کی پہلی شرط: گناہ پر ندامت

بلکہ ایک بات اور عرض کر دوں، وہ یہ کہ پہلے تو آدمی کو اس بات میں شبہ رہتا ہے کہ میری توبہ سچی ہوئی یا نہیں، اس لئے کہ توبہ کے لئے تین شرائط ہیں۔ جب یہ تین شرائط پائی جائیں تب توبہ سچی ہوتی ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ انسان کو پچھلے تمام گناہوں پر دل میں ندامت ہو، شرمندگی ہو اور اس گناہ کا اقرار اور اعتراف ہو، اگر اقرار اور اعتراف نہیں ہے اور گناہ پر ندامت اور پشیمانی نہیں ہے بلکہ سینہ زوری ہے تو پھر توبہ کہاں ہوئی۔ لہٰذا یہ بات کہ انسان گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے، یہ بڑی خطرناک بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ لہٰذا توبہ کی پہلی شرط ندامت ہے کہ یا اللہ! مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی، میں اقراری مجرم ہوں، مجھے معاف فرما دے۔

توبہ کی دوسری شرط: گناہ کا ترک

توبہ کی دوسری شرط جس کے بغیر توبہ کامل نہیں ہوتی، وہ یہ ہے کہ فوراً اس گناہ کو چھوڑ دے، اس کے بغیر توبہ نہیں ہوسکتی، یہ تو نہیں ہوسکتا کہ انسان ایک طرف توبہ کر رہا ہے اور دوسری طرف اس گناہ کو بھی کر رہا ہے، یہ تو کوئی توبہ نہ ہوئی۔

توبہ کی تیسری شرط: گناہ نہ کرنے کا عزم

تیسری شرط یہ ہے کہ آئندہ کے لئے دل میں یہ عزم اور ارادہ کر لے کہ میں آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا اور اس کے پاس نہیں پھٹکوں گا۔ بہرحال! توبہ کی یہ تین شرائط ہیں جن کے بغیر توبہ مکمل نہیں ہوتی۔

عزم نہ ہونے کا شبہ

جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے کہ گناہ پر ندامت اور شرمندگی ہو، اکثر صاحبِ ایمان کو یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اور دوسری شرط یعنی گناہ کو چھوڑ دینا، اس پر بھی عام طور پر عمل ہو جاتا ہے۔ البتہ تیسری شرط کہ یہ عزم کرنا کہ آئندہ کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا، اس شرط کے پورا ہونے میں اکثر شبہ رہتا ہے نہ معلوم نہیں پکا ارادہ ہوا یا نہیں، کیونکہ توبہ کرتے وقت دل میں یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ توبہ تو کر رہا ہوں لیکن میں کتنا اس توبہ پر قائم رہوں گا اور کتنا میں اپنے آپ کو اس گناہ سے بچا سکوں گا، اس بارے میں دل میں شبہ رہتا

ہے، اس شبہ کی موجودگی میں عزم مکمل ہوا یا نہیں، اور جب عزم مکمل ہونے میں شبہ ہے تو توبہ مکمل ہونے میں بھی شبہ ہوا، کیونکہ عزم کے بغیر توبہ مکمل نہیں ہوتی، اس وجہ سے آدمی پریشانی کا شکار رہتا ہے۔

دھڑکا لگا رہنا توبہ کے منافی نہیں

غور سے سمجھ لیجئے کہ توبہ کے پکا اور سچا ہونے کے لئے عزم بیشک ضروری ہے، لیکن اگر دل میں ساتھ ساتھ یہ دھڑکہ لگا ہوا ہے کہ میں عزم تو کر رہا ہوں مگر پتہ نہیں میں آئندہ اس عزم پر قائم رہوں گا یا نہیں، اپنے نفس پر بھروسہ نہیں ہے، تو محض یہ دھڑکہ لگا رہنا توبہ کی تکمیل کے منافی نہیں، جب پکا ارادہ کر لیا تو دھڑکے کے باوجود وہ ارادہ پکا ہی رہے گا اور اس کی وجہ سے توبہ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوگا انشاء اللہ۔

دھڑکے کی ایک مثال

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے آپ نے ایک عمارت تعمیر کی اور اپنی طرف سے اس کو پختہ بنایا، ستون پختہ بنائے، بیم پختہ بنائے، لوہا اور سمینٹ مناسب لگایا، لیکن ساتھ میں یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ اگر کسی دن زلزلہ آیا تو عمارت گر جائے گی، یا کسی وقت اس کے اوپر بم گر گیا تو یہ عمارت گر جائے گی، اب زلزلہ کا بھی اندیشہ ہے، بم گرنے کا بھی اندیشہ ہے اور کوئی حادثہ پیش آجانے کا بھی اندیشہ ہے لیکن ان اندیشوں کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ عمارت پکی نہیں بنی، بلکہ عمارت تو پکی ہے، البتہ اندیشے اپنی جگہ ہیں، ان

اندیشوں کے لئے کوئی اور تدبیر اور سدِّ باب سوچو لیکن اس کی وجہ سے عمارت کو کمزور نہیں کہا جائے گا۔

آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم توبہ کیلئے کافی ہے

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں اور نہ مجھے یہ بات کہنے کی جرأت ہوتی، بلکہ یہ بات میں نے اپنے ایک بزرگ حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز صحبت تھے اور بڑے عجیب وغریب صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، وہ اپنی ہر مجلس میں اس بات پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دین پر چلنا بڑا مشکل ہے، ارے میاں! روزانہ توبہ کرلیا کرو۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ یہ فرماتے ہیں کہ توبہ کرلیا کرو، ہمیں تو اسی میں شک رہتا ہے کہ پکی توبہ ہوئی یا نہیں؟ کیونکہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم پکا ہوا یا نہیں؟ اس وقت انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ اپنی طرف سے تو گناہ نہ کرنے کا عزم کرلو، پھر یہ جو گناہ ہو جانے کا اندیشہ اور دھڑکا لگا ہوا ہے، یہ توبہ کے منافی نہیں۔ بعد میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور ملفوظات میں کئی مقامات پر یہ مضمون نظر سے گزرا، حضرت والا نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اندیشہ توبہ کے منافی نہیں، اس لئے جب ایک مرتبہ اپنی طرف سے پکا ارادہ کرلیا کہ انشاء اللہ یہ کام نہیں کروں گا تو بس توبہ ہوگئی۔

توبہ کے نتیجے میں گناہ نامہ اعمال سے مٹا دیئے جاتے ہیں

اور توبہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت تم نے یہ توبہ کرلی، اس وقت

تک تمہارے جتنے گناہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مٹا دیے۔ اس بارگاہ کا کرم دیکھئے کہ توبہ کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ وہ گناہ معاف کر دیے اور معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ تمہارے نامہ اعمال میں درج تو ہیں لیکن اس پر تمہیں سزا نہیں دیں گے، بلکہ توبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ تمہارے نامہ اعمال سے بھی مٹا دیے جائیں گے، اب وہ گناہ تمہارے نامہ اعمال میں لکھے ہوئے نہیں ہوں گے تاکہ آخرت میں ان گناہوں کو دیکھ کر شرمندگی بھی نہ ہو کہ میں نے فلاں کام کیا تھا۔

آج کل حساب کا جو طریقہ ہے، اس میں تین کالم ہوتے ہیں، ایک ڈیبٹ کا، ایک کریڈٹ کا، ایک بیلنس کا، یعنی یہ آمدنی ہوئی اور یہ خرچ ہوا اور یہ بیلنس ہوا، لہٰذا جتنے پیسے کسی کو دیے ہیں وہ بھی حساب میں لکھے ہوئے ہیں اور جتنے پیسے کسی سے لئے ہیں وہ بھی حساب میں لکھے ہوئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب اس طرح ہے کہ وہاں ڈیبٹ کوئی نہیں، کیونکہ جب تم نے توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ سے صدق دل کے ساتھ معافی مانگ لی تو اب تمہارے ڈیبٹ کے خانے میں کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہوگا بلکہ جو کچھ لکھا ہوگا وہ کریڈٹ کے خانے میں ہوگا اور اس پر تمہیں انشاء اللہ ثواب ملے گا۔

''ستّار'' ستاری کا معاملہ فرمائیں گے

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ بلائیں گے اور سرگوشی کے انداز میں اس سے کہیں گے کہ بتا تو نے دنیا میں یہ گناہ کیا تھا؟ وہ

کہے گا جی ہاں! کیا تھا، فلاں گناہ کیا تھا؟ وہ کہے گا کیا تھا، فلاں گناہ کیا تھا؟ جی ہاں! کیا تھا۔ گناہ شمار کرانے اور اقرار لینے کے بعد پھر اس بندے سے فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں تیری ستاری کی، تیری پردہ پوشی کی اور کسی کو ان گناہوں کے بارے میں پتہ بھی نہیں چلا، ان گناہوں کو یا میں جانتا ہوں یا تو جانتا ہے، آج میں تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ لہٰذا وہاں آخرت میں بھی کسی دوسرے کو وہ گناہ نہیں دکھائیں گے، اللہ تعالیٰ ایسی ستاری فرمائیں گے۔ بہرحال! اگر ایک مرتبہ توبہ پکی ہوگئی تو انشاء اللہ وہ گناہ معاف ہوگئے اور نامہ اعمال سے مٹا دیے گئے۔

اللہ تعالیٰ سے ہی توبہ پر استقامت طلب کرو

اب اگر اس بات کا دھڑکہ لگا ہوا ہے کہ کہیں یہ گناہ دوبارہ ہم سے سرزد نہ ہو جائے تو یہ دھڑکہ لگا کرے اور اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! میں نے توبہ کرلی، لیکن اے اللہ! جب تک آپ کی توفیق نہیں ہوگی، میں اپنے قوت بازو سے اس توبہ پر قائم نہیں رہ سکتا، آپ اپنے فضل وکرم سے مجھے اس پر استقامت عطا فرمایئے۔

اے اللہ: ہمارے اعضاء آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں

ایک دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَا صِیَنَا وَجوَا رِحَنَا بِیَدِكَ

لَمْ تُمَلِّكْنَا مِنْهَا شَيْئًا فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ بِنَا
فَكُنْ أَنْتَ وَلِيَّنَا وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ السَّبِيلِ۔

اے اللہ! ہمارے دل، ہماری پیشانیاں اور ہمارے اعضاء وجوارح، یہ سب آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں، ان میں سے کسی چیز کا آپ نے ہمیں مالک نہیں بنایا، نہ ہم اپنے دل کے مالک ہیں، نہ اپنی زبان کے مالک ہیں اور نہ اعضاء کے مالک ہیں، لہٰذا جب یہ سب اعضاء آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں تو اے اللہ! آپ ہی ہمارے کارساز بن جائیے اور ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائیے۔

اے اللہ! وہ چیز عطا فرما جو آپ کو راضی کر دے

یہ بھی اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! ہم نے توبہ تو کر لی لیکن یہ دل، یہ دماغ، یہ زبان، یہ ہاتھ، یہ پاؤں اور یہ اعضاء و جوارح سب آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں، اے اللہ! اب آپ ہی ان کو ثابت قدم رکھئے، ہمارے بس میں نہیں اور یہ دعا کریں کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ سَأَلْتَنَا مِنْ أَنْفُسِنَا مَالَا نَمْلِكُهُ إِلَّا
بِكَ فَأَعْطِنَا مِنْهَا مَا يُرْضِيكَ عَنَّا۔

اے اللہ! آپ نے ہم سے ایسی ایسی چیزوں کا مطالبہ فرمایا ہے جس کو پورا کرنے کی ہمارے اندر طاقت نہیں جب تک کہ آپ کی توفیق نہ ہو، لہٰذا اے اللہ! ہمیں وہ چیزیں عطا فرما جو آپ کو ہم سے راضی کر دیں۔ اس لئے اپنی توبہ

پکی کرلو اور جو دھڑکا لگا ہوا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو اور یہ کہو اے اللہ! آپ ہی اس توبہ پر ثابت قدم رکھئے۔

پختہ کار بننے کیلئے لمبا سفر درکار ہے

دوسرا مسئلہ وہ ہے جو ان صاحب نے حضرت والا سے پوچھا کہ ہر ہفتہ توبہ کرتا ہوں اور ایک دن کے بعد تمام تہیہ غارت ہو جاتا ہے، ایک دن توبہ کی، دوسرے دن پھر گناہ میں مبتلا ہو گیا۔ یہ معاملہ بکثرت ہم سب کو پیش آتا رہتا ہے۔ حضرت والا نے ان صاحب کے جواب میں پہلے تین شعر لکھے۔

صوفی نہ شود صافی تا دُر نہ کشد جامی
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

یہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے، یعنی کوئی صوفی صحیح معنوں میں صوفی نہیں ہو سکتا جب تک وہ پانی کے ساتھ تلچھٹ بھی نہ پیئے، جب صوفی پانی کے ساتھ تلچھٹ پینا گوارہ کر لیتا ہے تو بالآخر اللہ تعالیٰ اس کو صاف کر دیتے ہیں، اور انسان کے اندر جو خامی ہے اس کو دور ہونے میں اور انسان کو پختہ کار بننے میں ایک دن ایک رات کافی نہیں بلکہ اس کے لئے لمبا سفر چاہئے۔

مرتے دم تک فارغ ہو کر نہیں بیٹھنا

دوسرا شعر ۔ حضرت والا نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا کہ:

اندریں رہ می تراش و می خراش

تادمِ آخر دمے فارغ مباش

یعنی اس راستے میں ہر وقت تراش وخراش کرنی پڑتی ہے اور مرتے دم تک ایک لمحے کے لئے بھی فارغ ہوکر نہیں بیٹھنا۔ یعنی یہ نہیں کہ آدمی مطمئن ہوکر بیٹھ جائے کہ اب ہماری اصلاح ہوگئی، یہ نفس جو تمہارے ساتھ لگا ہوا ہے، یہ کسی وقت بھی تمہیں ڈس جائے گا، لہٰذا کسی وقت بھی بے فکر ہوکر نہیں بیٹھنا۔ جیسے آپ نے پھلواری لگائی تو اب اس پھلواری کو قاعدے میں رکھنے کے لئے کٹائی چھٹائی کی ضرورت ہر وقت لگی رہے گی، کبھی ایک پتہ کاٹ دیا، کبھی ٹہنی کاٹ دی، کبھی پھول کاٹ دیا، اگر اس پھلواری کو ویسے ہی چھوڑ دو گے تو وہ جھاڑ جھنکار بن جائے گا۔ اسی طرح انسان کو اپنے نفس کی تراش خراش کرنی پڑتی ہے اور اس کی ہر وقت نگرانی کرنی پڑتی ہے، ایک لمحہ کے لئے بھی فارغ ہوکر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

آخر کار عنایت ہو ہی جاتی ہے

تیسرا شعر یہ لکھا کہ:

تادمِ آخر دمے آخر بود

کہ عنایت باتو صاحب سر بود

یعنی اگر اللہ تعالیٰ آخر دم تک اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمادیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہو ہی جاتی ہے۔

جب توبہ ٹوٹے دوبارہ عزم کرلو

یہ تین شعر لکھنے کے بعد حضرت والا نے یہ جملہ لکھا کہ:

حاصل یہ کہ فکر و کوشش جاری رکھنا چاہئے، انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح کامیابی ہو جائے گی۔ (ایضاً)

یعنی اس گُر کو پلے باندھ لو، وہ یہ کہ جو بار بار توبہ ٹوٹ رہی ہے، اس سے مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا ہے، بلکہ اس کا مقابلہ اس طرح کرنا ہے کہ جب توبہ ٹوٹے پھر دوبارہ پختہ عزم کرو، پھر توبہ ٹوٹے پھر دوبارہ پختہ عزم کرلو، یہ فکر اور کوشش آخر وقت تک جاری رہنی چاہئے، مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے کہ یہ میری توبہ بار بار ٹوٹ رہی ہے، لہٰذا توبہ کرنے کو چھوڑ دو، یہ مایوسی ٹھیک نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ پختہ عزم کرو۔

انسان کے ارادے میں بڑی قوت ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ارادے میں بڑی قوت دی ہے، انسان نے اپنے ارادے کی طاقت سے بڑے بڑے پہاڑ سر کر لئے ہیں، ارادے کی طاقت سے چاند پر پہنچ گیا اور مریخ پر پہنچ گیا، ایٹم بنالیا، ہائیڈروجن بم بنالیا، اسی ہمت کی طاقت سے یہ سب کام کر لئے، اس ہمت کی طاقت کو نفس و شیطان کا مقابلہ کرنے کے لئے استعمال کرو، گناہ سے بچنے کے لئے اس کو استعمال کرو، اگر ایک مرتبہ گر گئے تو پھر دوبارہ تازہ دم ہو کر اٹھو اور اپنے عزم کو

تازہ کرو کہ میں پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اس گناہ کا مقابلہ کروں گا۔

اگر ہتھیار ڈال دیئے تو مارا گیا

ابتداء میں کشمکش ہوتی ہے، جب انسان قرآن و حدیث سنتا ہے یا بزرگوں کی باتیں سنتا ہے تو دل میں خیال آتا ہے کہ گناہوں کو چھوڑنا چاہئے اور صحیح راستے پر آنا چاہئے، لیکن نفس جو گناہ کا عادی بنا ہوا ہے وہ دوسری طرف لے جانا چاہتا ہے، اب نیکی کے تقاضے اور بُرائی کے تقاضے میں کشتی ہوتی ہے، نفس چونکہ موٹا ہے اور اس کے اندر گناہ کرنے کی طاقت موجود ہے جبکہ نیکی کے تقاضے کے اندر ابھی اتنی طاقت پیدا نہیں ہوئی، اس لئے جب دونوں کے درمیان کشتی ہوتی ہے تو یہ نفس نیکی کے تقاضے کو گرا دیتا ہے، اب اگر نیکی کے تقاضے نے اس نفس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے کہ اس نفس نے مجھے ڈھا دیا، اب اس نفس سے مقابلہ کرنا بیکار ہے تو یہ نیکی کا تقاضہ مارا گیا۔

پھر ہمیشہ نفس گرتا رہے گا

لیکن اگر نیکی کے تقاضے کو یہ سمجھایا کہ تو جتنی مرتبہ پٹے گا، اتنی مرتبہ تیرے اندر مزید قوت پیدا ہوگی۔ تو اب وہ نیکی کا تقاضہ نئی طاقت کے ساتھ، نئے عزم اور نئے حوصلے کے ساتھ اٹھے گا، اب جب دوبارہ نفس سے مقابلہ ہوگا تو یہ نیکی کا تقاضہ کچھ دیر اسکے مقابلے میں ڈٹا رہے گا، یہ نہیں ہوگا کہ پہلے ہی داؤ میں گر جائے بلکہ پہلی مرتبہ کی بنسبت مقابلہ بہتر ہوگا، البتہ پھر دوبارہ گر جائے گا، پھر اس گرنے کے نتیجے میں دوبارہ اسکے اندر مزید طاقت اور قوت پیدا

ہوگی، اب تیسری مرتبہ جب مقابلہ ہوگا تو یہ نفس کا ڈٹ کر برابر کا مقابلہ کرے گا، اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ نیکی کا تقاضہ نفس کو بھی چت کر دے گا۔ زندگی بھر یہ ہوتا رہے گا کہ کبھی اس نے گرا دیا اور کبھی اس نے گرا دیا، کبھی یہ غالب آ گیا اور کبھی وہ غالب آ گیا، جب بار بار مقابلہ ہوتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر اتنی طاقت عطا فرما دیں گے کہ پھر ہمیشہ نیکی کا تقاضہ نفس کو گرائے گا اور نفس ہمیشہ گرتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

مرتے دم تک نفس سے ہوشیار رہنا ہے

لیکن قاعدہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑا پہلوان بھی غافل ہو کر نہیں بیٹھتا کہ اب چونکہ میں بہت بڑا پہلوان ہو گیا ہوں، لہٰذا اب مجھے کسرت کی اور مشق کرنے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اس کو بھی روزانہ کسرت کرنی ہے اور روزانہ بادام کھانے ہیں اور روزانہ اپنی غذا کا اہتمام کرنا ہے، اگر اس نے یہ چیزیں چھوڑ دیں تو وہ ٹھس ہو جائے گا اور کسی کا مقابلہ کرنے کی طاقت اس میں نہیں رہے گی، لہٰذا اگر طاقت حاصل کر کے پہلوان بن بھی گیا اور نفس و شیطان کو گرا بھی دیا، تب بھی اس کو ہر وقت ریاضت کی ضرورت ہے تا کہ اس کی قوت اسی درجے میں بحال رہے، اسی لئے فرمایا:

تا دم آخر دمے فارغ مباش

آخر دم تک ایک لمحے کے لئے بھی فارغ ہونے کا موقع نہیں ہے۔

جامِ مے توبہ شکن، توبہ میری جام شکن

بہر حال! توبہ ٹوٹنے کا معاملہ ہر انسان کے ساتھ پیش آتا ہے، لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں، جب توبہ ٹوٹے، دوبارہ توبہ کرلو اور استغفر اللّٰہ ربّی من کل ذنب واتوب الیہ پڑھ لو۔ ایک شاعر کا بڑے مزے کا شعر ہے کہ:

جامِ مے توبہ شکن، توبہ میری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

یعنی جب جام مے سامنے آتا ہے تو توبہ ٹوٹ جاتی ہے اور جب توبہ آتی ہے تو جام کو توڑ دیتی ہے، اس کے نتیجے میں میرے سامنے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔ "پیمانوں" کا لفظ شاعر نے یہاں دو معنوں میں استعمال کیا ہے، ایک تو "عہد" کے معنی میں، کیونکہ "عہد" کو بھی "پیمان" کہتے ہیں اور دوسرے "گلاس" کے معنی میں، کیونکہ شراب کے گلاس کو پیمانہ کہا جاتا ہے، اس لئے اس نے کہا کہ "سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے، یعنی ایک طرف پیمان ٹوٹ رہے ہیں اور دوسری طرف پیمانے ٹوٹ رہے ہیں، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ "پیمان" میں اتنی طاقت عطا فرما دیتے ہیں کہ پھر "پیمانے" ہی ٹوٹتے ہیں، "پیمان" نہیں ٹوٹتے۔ اگر آدمی شروع میں گھبرا جائے کہ یہ میری توبہ ٹوٹ رہی ہے اور ہار کر بیٹھ جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس و شیطان نے غلبہ پالیا، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ

جتنی مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے، اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً دوبارہ عہد کو تازہ کرو اور دوبارہ توبہ کی طرف بڑھو، ان کی بارگاہ تو ایسی ہے جیسے کسی شاعر نے کہا کہ:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نو امیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

یعنی اور جگہوں کا تو معاملہ یہ ہے کہ اگر تم ایک مرتبہ جرم کرو گے، دو مرتبہ کرو گے، تین مرتبہ کرو گے، معاف کر دیے جاؤ گے، لیکن اگر روزانہ ہی جرم کرو گے تو وہ کان سے پکڑ کر باہر نکال دیے جاؤ گے اور یہ کہہ دیا جائے گا کہ اب یہاں مت آنا، مگر ان کی بارگاہ ایسی ہے کہ ان کی طرف سے یہ اعلان ہو رہا ہے کہ اگر سو بار بھی توبہ توڑ چکے ہو تو پھر میرے پاس واپس آ جاؤ، پھر بھی تمہاری توبہ قبول کر لوں گا۔ مرتے دم تک نزع کی آخری حالت سے پہلے پہلے تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں بلکہ کوشش جاری رکھنی چاہیے، انشاء اللہ اسی طرح کامیابی ہو جائے گی، ہمت نہ ہارو اور مایوس ہو کر مت بیٹھو اور کوشش کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جاؤ، اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن کامیابی عطا فرمادیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں! اللہ تعالیٰ سے اس طرح باتیں کیا کرو کہ یا اللہ! میں اس گناہ کے سیلاب سے نہیں بچ سکوں گا، یہ میرے بس میں نہیں، میں آپ سے مانگتا ہوں کہ آپ ہی مجھے بچایئے ورنہ پھر مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمایئے گا، ہر چیز آپ کی قدرت میں ہے، میں اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ اپنے اللہ میاں سے اس طرح کی باتیں کیا کرو، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دعا رد نہیں فرماتے۔

حضرت یونس علیہ السلام سے سبق لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصے کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب بات بیان فرمائی ہے، وہ کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تین دن رہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات درمیان میں عرض کر دوں کہ اہل حکمت کے نزدیک اس کائنات میں کوئی خبر خبر محض نہیں بلکہ ہر خبر بمعنی انشاء ہوتی ہے، یعنی ہر خبر سے کوئی نہ کوئی امر یا نہی نکلتا ہے کہ یہ کام کرو یا یہ کام نہ کرو اور ہر خبر سے کوئی نہ کوئی سبق ملتا ہے، لہٰذا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جتنے واقعات بیان فرمائے ہیں، ان کے اندر کوئی نہ کوئی سبق ہے۔

بہر حال! حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تین دن رہے، وہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، اس اندھیرے میں یہ کام کیا کہ اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ:

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

آگے اللہ تعالیٰ نے بڑے مزے کی بات بیان فرمائی، وہ یہ کہ:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ انبیاء: آیت ۸۸)

جب اس نے ہمیں پکارا تو ہم نے اس کی پکار کو قبول کرلیا اور اس کو ہم نے اس گھٹن سے نجات دیدی اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں یا نجات دیں گے۔

کیا ہر مومن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائیگا؟

اب سوال یہ ہے کہ اس آخری جملے کا کیا مطلب ہے کہ ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیں گے، کیا ہر مومن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا، وہاں جاکر یہ کلمات لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پڑھے گا تو ہم اس کو بھی مچھلی کے پیٹ سے نجات دیدیں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ مطلب نہیں، بلکہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی تم کسی بھی قسم کی ظلمت میں گھر جاؤ، گناہوں کی ظلمت میں یا ماحول کی ظلمت میں یا شر کی ظلمت میں گھر جاؤ تو ہمیں پکارو اور کہو لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اور

جب تم ہمیں پکارو گے تو جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو ہم نے نجات دی تھی، اسی طرح ہم تمہیں بھی نجات دیں گے۔

اس ذات کو پکارو

لہٰذا ہم لوگ جو نفس کی اور گناہوں کی تاریکی میں گھرے ہوئے ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ اسی ذات کو پکارو جس نے اس نفس کو پیدا کیا اور جو خالق نور بھی ہے اور خالق ظلمت بھی ہے، جو خالق خیر بھی ہے اور خالق شر بھی ہے، اسی کو پکارو اور کہو کہ اے اللہ! آپ نے ان کو پیدا فرمایا ہے، آپ ہی ان کو ہم سے دور فرما دیجئے، تم اس طرح پکارو گے تو اللہ تعالیٰ نجات عطا فرما دیں گے۔

حضور ﷺ ستر مرتبہ استغفار فرماتے

خلاصہ یہ کہ توبہ ایسی چیز نہیں کہ اگر کسی وقت وہ ٹوٹ جائے تو آدمی مایوس ہو کر بیٹھ جائے، نہیں، بلکہ ساری عمر یہ کام کرتے رہنا ہے۔ ارے ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنے پروردگار سے دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں، جبکہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں اور گناہوں کا صدور آپ سے ممکن نہیں اور کوئی بھول چوک ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے اعلان فرما دیا ہے کہ وہ سب معاف ہے، اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

پچھلے درجات سے استغفار ہوتا تھا

بزرگوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے استغفار فرماتے تھے کہ آپ کے درجات میں ہر لمحہ اور ہر لحظہ ترقی ہو رہی تھی، جب آپ اگلے درجے پر پہنچتے تو پچھلا درجہ آپ کو بمنزلہ گناہ کے نظر آتا تھا، آپ اس پر استغفار فرماتے تھے، لہٰذا ہمیں تو ہر آن استغفار کرتے رہنا چاہئے، جب غلطی ہو جائے پھر لوٹ آؤ، پھر غلطی ہو جائے تو پھر استغفار کرلو، یہی عمل کرتے رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ عطا فرما دیں گے انشاء اللہ اور نفس و شیطان تمہارے قابو آجائیں گے بشرطیکہ تم ان کے سامنے ڈٹ جاؤ۔

شیطان کا مکر کمزور ہے

قرآن کریم نے فرمایا:

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا

یعنی شیطان کا مکر بڑا کمزور ہے، بظاہر تو یہ بڑا فوں فاں کرتا ہے اور بڑا رعب دار معلوم ہوتا ہے لیکن جو آدمی ایک مرتبہ اس کے سامنے ڈٹ گیا، یہ وہیں غبارے کی طرح بیٹھ جاتا ہے، بس اس کے سامنے ڈٹ جانا شرط ہے۔ بعض لوگ فوں فاں بہت کرتے ہیں اور شور مچاتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں لیکن ان کے اندر کچھ بھی نہیں ہوتا، چنانچہ اگر کوئی دوسرا آدمی ان کے مقابلے میں ڈٹ جائے تو وہ وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ روس کا سربراہ بڑی ڈینگیں مارا کرتا تھا کہ میں یہ

کردوں گا وہ کردوں گا، ساری دنیا کو تباہ و برباد کردوں گا، روزانہ اس کا ایک نیا بیان آجاتا تھا، لوگ پریشان تھے کہ معلوم نہیں یہ کیا چیز ہے، لیکن جب بیٹھا تو بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے نفس و شیطان کو ایسا ہی بنایا ہے، ان کا مقابلہ کرنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اور یہ بڑے طاقت ور معلوم ہوتے ہیں لیکن ذراسا آدمی ان کے سامنے ڈٹ جائے تو یہ بتاشے کی طرح بیٹھ جاتے ہیں، اس لئے ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، جتنی مرتبہ غلطی ہو جائے اور گناہ ہو جائے، ہر مرتبہ لوٹ آؤ۔

توبہ کے معنی ہیں لوٹ آنا

توبہ کے معنی کیا ہیں؟ توبہ کے لفظی معنی ہیں ''لوٹ آنا'' یہ تاب یتوب توبۃً سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں لوٹ کے آجانا، یعنی گناہ کرنے کے نتیجے میں تم بھٹک گئے تھے، اب واپس لوٹ آؤ، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم لوٹو گے تو میں لوٹوں گا، یعنی جب تم توبہ کرو گے تو میں گناہ معاف کردوں گا، لہٰذا جب بھی ذرا پٹری سے اتر گئے، پھر واپس پٹری پر آجاؤ، پھر اتر گئے پھر واپس آجاؤ، یہ نہ ہو کہ بس جب پٹری سے اتر گئے تو بس اب اتر ہی گئے، اب واپس لوٹنے کی ضرورت نہیں، یہ نہ کرو بلکہ دوبارہ لوٹ آؤ۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

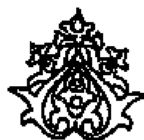
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مجلس نمبر ۷۷

استغفار کیلئے وقت مقرر کرلیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۷۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

گناہوں کا علاج: توبہ

استغفار کیلئے وقت مقرر کرلیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

استغفار کی تعداد اور وقت مقرر کرنا

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ:

استغفار جس میں کچھ بھی وقت صرف نہیں ہوتا اور نہایت آسان ہے، بہت بھولتا ہوں۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۱۹۴)

یعنی استغفار اتنی آسان چیز ہے کہ اس میں کوئی لمبا چوڑا وقت صرف نہیں ہوتا، ایک لمحہ کے اندر آدمی یہ کہہ دیتا ہے "استغفر اللّٰہ رَبّی من کل ذنب وأتوب إلیه" اتنا آسان ہونے کے باوجود میں یہ استغفار کرنا بھول جاتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں ان کو لکھا کہ:

اس حالت میں استغفار بعدد خاص کسی وقت مقرر کر لیجئے تاکہ اگر ہر وقت یاد نہ رہ سکے تو قلق نہ ہو۔ (ایضاً)

ویسے تو استغفار کے لئے نہ وقت مقرر ہے اور نہ تعداد مقرر ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اپنی ہر غلطی پر استغفار کرنا چاہئے، لیکن ایسی حالت میں جبکہ آدمی استغفار کرنا بھول جاتا ہے تو اس کو چاہئے کہ کوئی خاص وقت مقرر کر لے کہ میں فلاں وقت استغفار کیا کروں گا اور عدد بھی متعین کر لے کہ اتنی مرتبہ استغفار کروں گا، مثلاً ایک تسبیح پڑھوں گا۔

استغفار کے وقت ذہن میں گناہوں کا استحضار

چنانچہ ہمارے بزرگ طالبین کو جب معمولات بتاتے ہیں تو ان میں استغفار کی ایک تسبیح ضرور شامل ہوتی ہے۔ وہ استغفار یہ ہے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ یا

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَلِیَّ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔

اس استغفار کو خاص وقت میں اور خاص تعداد میں کر لینا مفید ہوتا ہے، اور یہ استغفار محض زبانی حرکت سے نہ ہو بلکہ استغفار کے وقت ذہن میں ذرا اس بات کا دھیان پیدا کرے کہ مجھ سے نہ جانے کتنی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، نہ جانے کتنے گناہ سرزد ہوئے ہیں، بہت سے گناہ وہ ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور بہت سے گناہ وہ ہیں جن کو میں جانتا بھی نہیں ہوں، اے اللہ! میں آپ سے ان سب گناہوں کی معافی مانگ رہا ہوں۔

حضور ﷺ کی ایک خوبصورت دعا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تلقین فرمائی، یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت پڑھنا ثابت ہے جب آپ حج یا عمرہ کے موقع پر صفا مروہ کی سعی کے دوران میلین اخضرین میں دوڑا کرتے تھے، وہ دعا یہ ہے:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاعْفُ عَنَّا وَ تَكَرَّمْ وَتُجَاوِزْ عَمَّا تَعْلَمُ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ مَالاَ نَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ۔

اے اللہ! میری مغفرت فرمائیے اور رحم فرمائیے اور درگزر فرمائیے اور مجھ پر کرم فرمائیے اور میرے ان گناہوں سے درگزر فرمائیے جو آپ جانتے ہیں، اس لئے کہ آپ وہ جانتے ہیں جو ہم نہیں جانتے، بیشک آپ سب سے زیادہ معزز اور مکرم ہیں۔ اس دعا میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو گناہ میرے علم میں ہیں، ان کو معاف فرمائیے بلکہ یہ فرمایا کہ جو گناہ آپ کے علم میں ہیں، میں ان

سے معافی طلب کرتا ہوں، آپ اپنی رحمت سے وہ سب معاف فرما دیجئے۔ اور ساتھ میں آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ آپ وہ سب جانتے ہیں جو ہم نہیں جانتے، نہ جانے کتنے گناہ ایسے ہیں کہ ان کے گناہ ہونے کا بھی ہمیں احساس نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نامۂ اعمال میں گناہوں کا اضافہ ہو رہا ہے اور ہمیں پتہ بھی نہیں، اس لئے روزانہ ایک تسبیح استغفار کی پڑھ لی جائے تو انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے نجات بھی عطا فرمائیں گے اور اگر گناہوں کا صدور بھی ہوگا تو استغفار کی برکت سے معاف بھی فرمادیں گے۔

پہلے استغفار پھر دوسرے اذکار

پھر استغفار کے سلسلے میں مشائخ کے مذاق مختلف ہیں، بعض مشائخ تو یہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنے روزانہ کے معمولات پورے کرنے بیٹھے تو استغفار سے شروع کرے، دوسری تسبیحات بعد میں کرے، استغفار سے شروع اس لئے کرے کہ پہلے پاک وصاف ہو جائے پھر آگے بڑھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تحمید، تقدیس وغیرہ یہ سب انوارات ہیں، ان انوارات کو حاصل کرنے سے پہلے ان کے قابل تو بن جائے۔ لہٰذا پہلے استغفار کرے اور پھر دوسرے اذکار کرے۔

پہلے دوسرے اذکار پھر آخر میں استغفار

جبکہ بعض دوسرے مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ استغفار آخر میں کرے، اس لئے کہ قرآن کریم میں نیک بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ

هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (سورۃ الذاریات: آیت ۱۷، ۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے رات کو کم سوتے ہیں اور اللہ جل شانہ کے ذکر میں نماز میں عبادات میں رات گزارتے ہیں اور پھر سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں تاکہ یہ استغفار ان کوتاہیوں کو بھی شامل کرلے جو ان عبادات میں پائی گئیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ! رات کو ہم نے عبادت تو کی لیکن آپ کی شایانِ شان عبادت نہ ہوسکی، مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اور جب ان عبادات میں ہونے والی کوتاہیوں سے بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی گئی تو اب یہ عبادات کامل اور مکمل ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول ہوگئیں۔ بہرحال! استغفار کے بارے میں مشائخ کے مذاق مختلف ہیں، لہٰذا جس شخص کا جس مذاق کی طرف رجحان زیادہ ہو، اس مذاق کو اختیار کرلے، دونوں راستے بزرگوں کے بتائے ہوئے ہیں۔

ماتحتوں پر زیادتی کی صورت میں معافی کی تفصیل

آگے ایک اور ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

> شاگردوں کو ان کی کوتاہی پر بے وقوف پاگل وغیرہ کہہ دینا چنداں مذموم نہیں، اس لئے اس سے استغفار کی ضرورت نہیں کہ تمام طلبہ جماعت کے سامنے معافی چاہی جائے بلکہ بعض اوقات خلاف مصلحت ہے کہ سبب ہے ان کی جسارت وجرأت اور فسادِ اخلاق کا، البتہ زجر میں اعتدال سے تجاوز نہ ہو، وعلی ھذا مریدین

وعيال وخدم ونحوهم من التابعين۔ (انفاس عیسٰی، ص۱۹۴)

شاگردوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا

جو حضرات اکثر و بیشتر تعلیم و تدریس کے کام میں مشغول رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دل میں فکر عطا فرماتے ہیں، ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اوقات شاگردوں کو ڈانٹنا پڑتا ہے اور بُرا بھلا کہنا پڑتا ہے، بعض اوقات تھوڑا بہت مارنا بھی پڑتا ہے اور ان افعال سے ظاہر ہے کہ دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے اور دوسرے کو تکلیف پہنچانا گناہ ہے اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ جس کو تکلیف پہنچائی جائے، اس سے معافی مانگے، اور جب تک اس سے معافی نہیں مانگے گا اور وہ شخص معاف نہیں کرے گا، وہ گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوگا۔

شاگردوں سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں

اس ملفوظ میں حضرت والاؒ نے اس کا اصول بتا دیا کہ اگر استاذ شاگرد کو ڈانٹے یا بُرا بھلا کہے یا تھوڑا سا مارلے تو اس پر شاگرد سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں بلکہ بعض اوقات معافی مانگنا مضر ہوتا ہے، اس لئے کہ جو شریر طبیعت کا شاگرد ہوگا وہ اس کا الٹا اثر لے گا کہ اچھا استاذ جی بھی ہم سے معافی مانگ رہے ہیں، لہٰذا آئندہ اور زیادہ شرارت کرو اور زیادہ گستاخی کرو، کیونکہ اگر استاذ کسی وقت ڈانٹ ڈپٹ کریں گے تو بعد میں ہم سے معافی بھی مانگیں گے، اس کے نتیجے میں ان کے اندر اور زیادہ جرأت اور جسارت پیدا ہوجائے گی، اس لئے ان سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اصول ہر اس شخص میں

جاری ہوگا جو آپ کے زیر تربیت ہو، چاہے وہ شاگرد ہو، چاہے مرید ہو، چاہے بیٹا ہو۔

زیرتربیت افراد میں یہ اصول کیوں؟

زیرتربیت افراد میں یہ اصول کیوں جاری ہوگا؟ اس لئے کہ جب ایک شخص نے اپنے آپ کو آپ کی تربیت میں دیدیا اور اس نے یا اس کے سرپرست نے یہ درخواست کی کہ آپ اس کی تربیت کریں، اور شاگرد استاذ کے پاس جب پڑھنے کے لئے آتا ہے تو وہ ایک طرح سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آپ میری تربیت کریں، اسی طرح جو مرید شیخ کے پاس آتا ہے وہ یہ درخواست لے کر آتا ہے کہ آپ میری تربیت کریں اور اس درخواست کے اندر یہ بات بھی شامل ہے کہ میں آپ کو یہ حق دیتا ہوں کہ آپ میری تربیت کی خاطر جو طریقہ مناسب سمجھیں، وہ طریقہ اختیار کریں، لہٰذا اگر میری تربیت کے لئے مجھے ڈانٹنے کی ضرورت ہو تو بیشک مجھے ضرور ڈانٹیں، اور اس تربیت کے اندر تھوڑی بہت پٹائی بھی داخل ہے بشرطیکہ وہ ضرب غیر مبرح ہو، اس سے زیادہ مارنا کسی طرح بھی حلال نہیں، کیونکہ ایسی مار کی ممانعت منصوص ہے۔ بہرحال! اگر استاذ نے کسی شاگرد کو پاگل یا بیوقوف کہہ دیا تو یہ کہنے کا حق استاذ کو حاصل ہے اور انشاء اللہ اس پر مواخذہ نہیں ہوگا، لہٰذا ان الفاظ کے کہنے پر طلبہ سے معافی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں۔

زجر میں اعتدال پر قائم رہیں

البتہ استاذ خود اس کا خیال کرے کہ زجر کرنے میں اعتدال سے تجاوز نہ

ہو، یہ نہ ہو کہ جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ ڈانٹ دیا یا جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ مار دیا، اُن کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ لیکن اب درمیان میں کون خط کھینچ کر بتائے کہ اتنا ڈانٹنا جائز تھا اور اس سے زیادہ ناجائز تھا، یا اتنا مارنا جائز تھا اور اس سے زیادہ مارنا ناجائز تھا، یہ خط کھینچنا انسان کے لئے آسان نہیں، بلکہ اس کے لئے شیخ کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے، شیخ کی صحبت میں رہ کر شیخ سے اس کے بارے میں سوال کرے کہ میں کس حد تک ڈانٹ سکتا ہوں اور کس حد تک مار سکتا ہوں، کیونکہ اس کے بارے میں دو اور دو چار کر کے کوئی اصول بتانا بڑا مشکل ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرمایا کہ:

صدیقین واللعّانین کلاّ وربّ الکعبۃ

یعنی ایک طرف صدیق بنتے ہیں اور دوسری طرف لعنتیں بھی کر رہے ہیں، رب کعبہ کی قسم! یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر تلافی کے طور پر اس غلام کو تو آزاد کر دیا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے غلام آزاد فرما دیئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے غلام کو برا بھلا کہہ رہے

تھے اور اس دوران انہوں نے اس غلام کو اس کے وطن کی طرف نسبت کر کے کوئی تحقیر کا جملہ کہہ دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سنا تو آپ نے فرمایا:

إنك امرأ فيك الجاهلية۔

اے ابوذر! تم ایسے آدمی ہو کہ تمہارے اندر جاہلیت کی خوبو باقی ہے، اس لئے کہ تم نے اپنے غلام کو وطنیت کا طعنہ دیدیا۔ بہر حال! اعتدال پر قائم رہنا بہت ضروری ہے، لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اس حد پر پہنچنے سے پہلے رک جائے جہاں یہ شبہ ہو کہ یہ اعتدال کے اندر داخل ہے یا نہیں۔ یہ وصف اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق اور بزرگوں کی صحبت کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے، ورنہ آدمی کے بس کی بات نہیں۔

حضرت تھانویؒ کا واقعہ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے، بھائی نیاز، میں نے بھی ان کی زیارت کی ہے، سیدھے سادھے بزرگ تھے اور حضرت والا کے خادم خاص تھے اور ذرا منہ چڑھے تھے، مگر حضرت کے مزاج شناس بھی تھے، حضرت والا کے پاس جو مریدین اور اہل تعلق آیا کرتے تھے یہ ان کے ساتھ ذرا بے تکلف بھی ہو جاتے تھے اور کبھی ان کو تنبیہ بھی کر دیا کرتے تھے کہ یہ کام اس طرح کرو اور یہ کام نہ کرو۔ ایک دن کسی نے حضرت والا سے ان کی شکایت کر دی کہ یہ بھائی نیاز صاحب آپ کے بہت منہ چڑھے ہیں، جو لوگ آپ کے پاس آتے ہیں یہ ان کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتے

ہیں، حضرت والا کو یہ سن کر تکلیف ہوئی کہ یہاں آنے والوں کے ساتھ ایسا رویّہ اختیار کرنا بُری بات ہے۔

چنانچہ آپ نے بھائی نیاز کو بلایا اور ڈانٹا کہ بھائی نیاز! یہاں آنے والے لوگوں کے ساتھ تم بدکلامی کرتے ہو اور ان کو ڈانٹتے ہو، ایسا کیوں کرتے ہو؟ بھائی نیاز نے کہا کہ حضرت! اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو۔ وہ دراصل کہنا یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ آپ سے یہ شکایت کر رہے ہیں، وہ اللہ سے ڈریں اور جھوٹ نہ بولیں، اس لئے کہ حقیقت کے خلاف شکایت کر رہے ہیں، لیکن بے خیالی میں ان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا کہ حضرت! اللہ سے ڈریں اور جھوٹ نہ بولیں۔ بتایئے اگر کوئی شخص اپنے نوکر کو ڈانٹے اور جواب میں نوکر یہ کہے کہ جھوٹ نہ بولو تو اور زیادہ غصہ آئے گا، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ سنا اور اپنی گردن جھکائی اور استغفر اللہ استغفر اللہ کہتے ہوئے تشریف لے گئے۔

یک طرفہ بات سن کر ڈانٹنا

آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ جب آپ نے اپنے نوکر کو ڈانٹا اور اس نے کہا کہ اللہ سے ڈرو، تو اس وقت فوراً ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں نے ایک طرف کی بات سن کر اس کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ لوگ تمہاری یہ شکایت کر رہے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس کا بیان سننے کے بعد کوئی فیصلہ کرنا چاہئے تھا اور یکطرفہ شکایت سن کر ڈانٹنا مناسب نہیں تھا، اس لئے بجائے اس کے کہ اپنی بات پر اڑتے آپ ''استغفر اللہ استغفر اللہ'' کہتے ہوئے تشریف لے گئے۔ یہ تھے ''کَانَ وَقَّافًا عند

حدود اللّٰہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کے آگے رک جانے والے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

یہ وصف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان کیا گیا ہے کہ:

كَانَ وَقَّافًا عند حدود اللّٰه

یعنی اللہ تعالیٰ کی حدود کے آگے رک جانے والے تھے۔ ویسے آپ کے اندر غصہ تھا، مزاج میں تیزی تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی حد سامنے آ گئی تو اب مزاج کی ساری تیزی ختم ہوگئی اور سارا غصہ بھی فرو ہوگیا۔ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، دیکھا کہ ایک گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، آپ نے حکم دیا کہ اس پرنالے کو توڑ دو، اس لئے کہ اس کے پانی سے مسجد نبوی خراب ہوتی ہے، چنانچہ وہ پرنالہ توڑ دیا گیا، یہ غصہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اور مسجد نبوی کے لئے تھا۔ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا ہے تو آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ناراض ہوئے اور ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کر دیا کہ ہمارے گھر کا پرنالہ توڑ دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ پرنالہ مسجد میں گر رہا تھا اور مسجد نبوی کو خراب کر رہا تھا، اس لئے میں نے اس کو توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں یہ پتہ نہیں کہ اس پرنالے کو لگانے کی خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ چنانچہ

آپ وہیں جھک کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ میری کمر پر کھڑے ہو کر دوبارہ اس پرنالے کو اسی جگہ پر لگا دیں۔ پھر فرمایا کہ خطاب کے بیٹے کی یہ مجال نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگے ہوئے پرنالے کو توڑے، چنانچہ وہ پرنالہ دوبارہ اسی جگہ لگا دیا گیا اور آج تک وہ پرنالہ مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ترکی خلافت کے دور کے لوگوں کو یہ عشق عطا فرمایا تھا کہ اب وہ نہ گھر موجود ہے نہ کوئی اور چیز موجود ہے، لیکن چونکہ وہ پرنالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لگوایا تھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا اس طرح سے اکرام کیا تھا، اس لئے وہ پرنالہ اسی جگہ لگا دیا، اب تک اس پرنالہ کی جگہ پر پرنالہ لگا ہوا ہے۔ بہرحال! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ وصف عطا فرمایا تھا کہ: "کَانَ وَقَّافًا عند حدود اللّٰہ"۔

یہ چیز صحبت سے حاصل ہوتی ہے

لیکن یہ بات صرف کتابیں پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ کسی کے سامنے رگڑے کھانے سے حاصل ہوتی ہے، جب کسی کے در پر آدمی رگڑے کھاتا ہے تب اللہ تعالیٰ یہ صفت عطا فرما دیتے ہیں، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو پہچان جاتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو یہ وصف عطا فرمائے۔ آمین۔

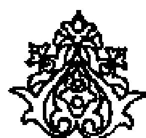
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مجلس نمبر ۷۸

سابقہ گناہوں کو یاد رکھنے کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۷۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سابقہ گناہوں کو یاد رکھنے کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

قبولِ توبہ کی علامت

توبہ کا بیان چل رہا ہے، ایک ملفوظ میں حکیم الامت حضرت مولانا

اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ قبول توبہ کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے محو ہو جائے کہ پھر وہ یاد نہ آئے اور عام کتب طریقت میں جمہور لکھتے ہیں کہ سالک کو لازم ہے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے۔ وجہ تطبیق یہ ہے کہ محو ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر خاص یعنی قلق طبعی نہ رہے، گو یاد بھی رہے اور قلق اعتقادی بھی رہے، نیز شیخ کا فرمانا کلیاً نہیں ہے، بلکہ بعض طبائع کے اعتبار سے ہے جن کے لئے قلق طبعی حاجب ہو جاتا ہے انشراح فی الطاعۃ سے۔

(انفاس عیسیٰ، ص ۱۹۵)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا فرمان

یہ دو باتیں ہیں جو مختلف بزرگوں نے فرمائی ہیں۔ بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، حضرت والا نے ان دونوں باتوں میں تطبیق دی ہے۔ ایک بات وہ ہے جو شیخ اکبر یعنی حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے کہ توبہ کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ جس گناہ سے توبہ کی گئی ہے، اس گناہ کا نقش دل سے بالکل مٹ جائے، پھر اس گناہ کا تصور، اس کا دھیان، اس کا خیال دل میں نہ آئے، ان کے نزدیک یہ توبہ کے قبول ہونے کی علامت ہے۔ بظاہر اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جس گناہ سے توبہ کی

تھی، اگر وہ گناہ یاد رہے اور بار بار یاد آتا رہے کہ میں نے فلاں گناہ کیا تھا تو پھر وہ توبہ قبول نہیں ہوئی، یہ بات تو شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔

حضرات صوفیاء کا فرمان

لیکن عام طور پر حضرات صوفیاء کرام اور بزرگان دین جو بتاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے گناہ ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے، اور جب پیش نظر رکھے گا تو وہ گناہ یاد رہیں گے۔ بہرحال! یہ حضرات فرماتے ہیں کہ گناہوں کو یاد رکھو اور شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ گناہوں کو یاد رکھنا توبہ کے عدم قبولیت کی علامت ہے، لہٰذا ان دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

شیخ اکبرؒ کے قول کی توجیہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو فرمایا کہ گناہ کا نقش دل سے محو ہو جائے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ گناہ یاد نہ رہے بلکہ نقش محو ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے کی وجہ سے طبعی طور پر دل میں جو رنج اور صدمہ تھا اور پریشانی تھی کہ مجھ سے کیا ہو گیا، میں نے یہ گناہ کیوں کر لیا، جب سچے دل سے توبہ کر لی تو اب توبہ کے بعد اس صدمہ اور رنج کی شدت کم ہو جانی چاہئے، یہ قبول توبہ کی علامت ہے، لیکن اگر وہ گناہ خود غیر اختیاری طور پر یاد رہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

توبہ کی توفیق پر شکر کرنا اور مطمئن ہونا

بلکہ اگر اس یاد کے ساتھ ساتھ دل میں اس گناہ کی عقلی بُرائی بھی آتی

ہے کہ مجھ سے یہ غلط کام ہوا تھا، میں عقلی طور پر اس کام کو بُرا سمجھتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی دل مطمئن ہے کہ الحمدللہ اب مجھے توبہ کی توفیق ہوگئی، اب میں اس گناہ سے نکل آیا اور اس گناہ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نکال دیا، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

ہمارے بزرگ حضرت بابا نجم احسن رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت تھے اور شاعر بھی تھے، بڑے اچھے شعر کہتے تھے اور شعر بھی پرانے شعراء میر اور درد کے اشعار کی طرح کہا کرتے تھے۔

وہ ایک شعر میں فرماتے ہیں:

دولتیں مل گئی ہیں آہوں کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

یعنی یاد تو آ رہا ہے کہ فلاں گناہ کیا تھا اور دل میں اس گناہ کی بُرائی بھی ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی خیال آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آہوں کی دولت عطا فرما دی ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرنے کی توفیق ہوگئی ہے، تو اب یہ گناہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

لہٰذا یہ خیال آنا کہ مجھ سے گناہ اور برا کام سرزد ہوا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی توفیق دیدی، اس لئے اب مجھے اطمینان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ توبہ کو قبول فرماتے ہیں، لہٰذا جب میں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ مجھ سے اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے، اس پر مجھے اطمینان ہے۔ یہ تو شیخ اکبر حضرت محی

الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب ہوا۔

گناہوں کو پیش نظر رکھنے کے تین مقصد

دوسرے حضرات صوفیاء اور بزرگان دین یہ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے اور ان کو یاد رکھے۔ گناہ کو یاد رکھنے کے تین مقصد ہو سکتے ہیں اور تینوں کا حکم الگ الگ ہے۔

لذت لینے کیلئے گناہوں کو یاد رکھنا

ا۔ گناہوں کو یاد رکھنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی لذت لینے کی خاطر اس کو یاد رکھے۔ العیاذ باللہ، مثلاً یہ کہ فلاں وقت میں نے یہ گناہ کیا تھا، اس میں کیسا مزہ آیا تھا، اب اس مزہ کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس گناہ کا تصور کر کے اس سے لطف اندوز ہو رہا ہے، یہ صورت بالکل ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ اور اس صورت میں اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ کہیں لذت لینے کی خاطر دوبارہ اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جائے، اس لئے یہ صورت بہت خطرناک ہے، اس سے ہر حال میں پرہیز کرنا ضروری ہے۔

گناہ یاد کر کے توبہ کی قبولیت میں شک کرنا

۲۔ گناہوں کو یاد رکھنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اس گناہ کو اس لئے یاد کر رہا ہے کہ میں نے فلاں گناہ کر لیا ہے لیکن میری توبہ معلوم نہیں کہ

قبول ہوئی یا نہیں. لہٰذا اب گناہوں کا وظیفہ کر رہا ہے کہ میں نے فلاں وقت یہ گناہ کیا تھا اور فلاں وقت یہ گناہ کیا تھا اور یاد کرکر کے پریشان ہو رہا ہے کہ پتہ نہیں کہ ان گناہوں کی معافی ہوگی یا نہیں۔ اس طرح گناہوں کو یاد کرنا گناہ تو نہیں لیکن یہ صورت پسندیدہ اور مطلوب بھی نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیٹھ کر سچے دل سے توبہ کرلو اور توبہ کی جو تین شرائط ہیں یعنی اس گناہ کو فوراً چھوڑ دینا اور اس گناہ پر نادم اور شرمندہ ہونا اور آئندہ کے لئے اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم کرلینا، بس یہ تین شرائط پوری کرلو اور صلوٰۃ التوبہ کی دو رکعتیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرلو اور معافی مانگ لو کہ اے اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھے معاف فرما دے۔ ایک مرتبہ اچھی طرح جی بھر کر توبہ کرلو اور معافی مانگ لو، جب ایک مرتبہ یہ کام کرلیا تو اب اس گناہ کا وظیفہ مت کرو اور جان بوجھ کر اس کو یاد کرنے کی کوشش مت کرو بلکہ اس گناہ کو بھول جانے کی کوشش کرو۔

شک وشبہ سے بے اعتمادی کا اظہار ہوتا ہے

اور پھر اس گناہ کے بارے میں یہ اندیشہ مت رکھو کہ معاف ہوا یا نہیں؟ اس لئے کہ جب اللہ جل شانہ نے وعدہ فرمالیا کہ میں تمہاری توبہ کو قبول کروں گا اور معاف کردوں گا تو اب خواہ مخواہ شکوک وشبہات دل میں لانا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے شایان شان نہیں، اس لئے کہ یہ شکوک وشبہات ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر بے اعتمادی کا اظہار کرنا ہے۔

ایک بہترین مثال

مثلاً فرض کریں کہ آپ ایک باپ ہیں اور آپ کا ایک بیٹا ہے یا آپ ایک استاذ ہیں اور آپ کا ایک شاگرد ہے، اب وہ بیٹا یا وہ شاگرد کوئی غلطی کرتا ہے اور آپ سے آکر معافی مانگتا ہے، آپ نے اس سے کہا کہ جاؤ میں نے تمہیں معاف کردیا اور اب تم مطمئن ہو جاؤ، لیکن وہ بیٹا یا شاگرد دوبارہ آپ سے لپٹ رہا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھے معاف کردو، باپ کہہ رہا ہے کہ ٹھیک ہے غلطی ہوگئی، لیکن میں نے تمہیں معاف کردیا، لیکن وہ بیٹا اصرار کر رہا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھے معاف کردو، اب وہ بار بار یہی بات دہرا رہا ہے۔ اس کا یہ عمل صحیح طریقہ اور صحیح طرز عمل نہیں ہے، کیونکہ اس سے پتہ چل رہا ہے کہ اس بیٹے اور شاگرد کو آپ کی زبان پر بھروسہ نہیں ہے، آپ کہہ رہے ہیں کہ معاف کردیا لیکن وہ کہتا ہے کہ نہیں، ابھی معاف نہیں ہوا، گویا کہ وہ آپ پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہا ہے اور آپ کی زبان پر بھروسہ نہیں کر رہا ہے۔

معاف کرنے پر بھروسہ کرو

استاذ، باپ اور شیخ اللہ جل شانہ کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں، اللہ جل شانہ کی رحمت کاملہ ان سب سے زیادہ ہے، جب ان حضرات کے معاف کردینے پر انسان بھروسہ کرتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے معاف کردینے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان سے زیادہ بھروسہ کرنا چاہئے، لہٰذا جب ایک مرتبہ توبہ کرلی اور اللہ جل شانہ نے توبہ کے بعد معاف فرمانے کا اعلان کردیا کہ جو شخص

بھی مجھ سے توبہ کرے گا میں اس کو معاف کردوں گا، تو اب اس پر بھروسہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا، اب اس گناہ کو وظیفہ مت بناؤ۔

گناہ کو وظیفہ بنانے کا نتیجہ

بلکہ گناہ کو وظیفہ بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ سے ایک حجاب پیدا ہو جاتا ہے، یہ حجاب اچھی چیز نہیں، اس حجاب کو اٹھاؤ اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، البتہ آگے کی فکر کرو کہ دوبارہ وہ گناہ سرزد نہ ہو جائے اور دوبارہ غلطی نہ ہو جائے۔ بہرحال! گناہوں کو باقاعدہ اہتمام کر کے اس کو یاد کرنا اور اس کا وظیفہ بنالینا درست نہیں۔

اپنی حقیقت پیش نظر رکھنے کیلئے یاد رکھنا

۳۔ گناہوں کو یاد کرنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ اجمالی طور پر انسان ذہن میں رکھے کہ میری حالت تو یہ ہے کہ مجھ سے ایسے ایسے گناہ سرزد ہوئے تھے، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وہ گناہ معاف فرما دیئے، لہٰذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں، میرا کوئی بھروسہ نہیں، کسی بھی وقت مجھ سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بچنے کی توفیق نہ ہو۔ میں ایسا گندہ تھا، یہ تو ان کا کرم ہے کہ مجھے نواز دیا اور یہ تو ان کا انعام ہے کہ ان سب غلطیوں کے باوجود مجھے معاف کر دیا اور میری توبہ قبول فرمالی ورنہ میں تو اس لائق نہیں تھا۔ لہٰذا اپنی حقیقت پیش نظر رکھنے کی غرض سے اور اپنے آپ کو عجب سے، تکبر سے، خود پسندی سے، تعلّی سے بچانے کے لئے

گناہوں کو ذہن میں رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

تعریف کے وقت اپنی حقیقت سوچو

اگر کوئی شخص آپ کی تعریف کرے کہ آپ بڑے اچھے ہیں، آپ بڑے عالم ہیں، آپ بڑے متقی پرہیزگار ہیں، آپ بڑے عبادت گزار ہیں، اس کا بھی علاج یہ ہے کہ انسان اس وقت یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر میری اچھی حالت ظاہر کر دی، اس لئے یہ شخص میری تعریف کر رہا ہے، اگر میری حقیقت اس کو پتہ چل جائے تو یہی شخص مجھ سے نفرت کرے اور مجھ پر تھو تھو کرے، اس لئے کہ میری اصلیت تو یہ ہے کہ میں ان گناہوں میں مبتلا تھا، البتہ اللہ جل جلالہ نے اپنے فضل سے پردہ پوشی فرما رکھی ہے، اس کو میری حقیقت کا علم نہیں۔ لہٰذا جو حضرات صوفیاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ اپنے گناہوں کو بھولو نہیں، ان کا مقصد یہ تیسری صورت ہے۔

بہرحال، گناہوں کو یاد رکھنے کے تین مقاصد ہوتے ہیں۔ نمبر ایک: لذت لینے کے لئے یاد کرنا، یہ تو گناہ ہی گناہ ہے، نمبر دو: ان گناہوں کو یاد کر کے اس میں شک کرنا کہ پتہ نہیں وہ گناہ معاف ہوئے یا نہیں، یہ صورت بھی پسندیدہ نہیں، نمبر تین: اپنی حقیقت اور اصلیت سامنے رکھنے کے لئے گناہ کو یاد کرنا، یہ تیسری صورت مناسب ہے۔

گناہ وظیفہ بنانے کی چیز نہیں

اب یہ تینوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان کا تعلق گناہوں کو یاد کرنے سے

ہے، لیکن تینوں کے حکم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مشائخ جب اپنے مریدین کی تربیت فرماتے ہیں تو وہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اس شخص کے لئے کونسی صورت مناسب ہے۔ بعض حضرات نے دوسری اور تیسری صورت کے درمیان فرق کو نہیں سمجھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے مریدین کو یہ حکم دیدیا کہ روزانہ تہجد کے وقت اپنے ایک ایک گناہ کو یاد کیا کرو، چنانچہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور بتایا کہ ہمارے شیخ نے یہ تعلیم دی ہے کہ تہجد میں جب اٹھو تو پہلے تہجد کی نماز پڑھو اور نماز پڑھنے کے بعد ان تمام گناہوں کو یاد کرو جو تم نے اب تک کئے ہیں اور ایک دو تین چار کر کے ان کی فہرست بناؤ اور پھر ان گناہوں سے استغفار کرو۔ میں نے کہا کہ یہ گناہوں کی بھی کوئی تسبیح ہے کہ روزانہ صبح و شام گناہوں کی تسبیح پڑھا کرو، اس کی کوئی حقیقت نہیں، سب غلط ہے، بس اجمالی طور پر اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے کہ میری حقیقت تو یہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان گناہوں کے دلدل سے نکال دیا، لہٰذا میرے لئے یہ کوئی ناز کا موقع نہیں، فخر و تکبر اور عجب کا موقع نہیں۔

صرف توبہ کر لینا کافی ہے

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ:

اگر کسی کو دل سے حقیر سمجھا یا کسی پر حسد کیا یا کوئی اخلاق مذمومہ جس کا تعلق دوسرے سے ہو، اس کا ارتکاب دل سے کیا لیکن ہاتھ اور زبان سے کوئی قصور نہیں کیا تو یہ

بھی حقوق العباد میں داخل ہے یا نہیں اور اس کو بھی
معاف کرانا چاہئے یا نہیں؟

جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ:

چونکہ اس سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا، اس لئے یہ حقوق
العباد نہیں ہوئے، صرف توبہ الی اللہ اور اصلاح آئندہ
کافی ہے۔ (انفاس عیسیٰ، ص ۱۹۵)

دوسرے کے متعلق دل میں بُرا خیال آنا حق العبد کا ضیاع نہیں

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے متعلق دل میں بُرے خیالات آ گئے، مثلاً حسد کا خیال دل میں آ گیا اور یہ دل چاہا کہ یہ ذلیل ہو جائے اور اس کی جو ترقی ہو رہی ہے، وہ ترقی رک جائے، لیکن صرف دل چاہا، اس دل کے چاہنے پر آگے کوئی عملی اقدام نہیں کیا، نہ ہی کسی کے سامنے اس کی بُرائی کی، نہ کسی سے اس کی غیبت کی، نہ چغلی کی اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کی۔ یا دل میں کسی کی طرف سے بُرائی آ گئی اور دل سے اس کو حقیر سمجھا اور کسی دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھنا بڑے گناہ کی بات ہے، لیکن اس حقیر سمجھنے کے نتیجے میں اس کی کوئی توہین نہیں کی، اس کی کوئی بے عزتی نہیں کی، اس کو بُرا بھلا نہیں کہا، اب اگر ان باتوں کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس شخص نے حق العبد کو ضائع کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے اس وقت تک معاف نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ "حقوق العباد" میں داخل نہیں، صرف توبہ کر لینا کافی ہے۔

دوسرے کی حقارت کا خیال سوچ سوچ کر لانا

اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل عرض کر دوں، وہ یہ کہ اگر دوسرے شخص کے بارے میں حسد کا، حقارت کا اور بُرائی کا خیال دل میں پیدا ہو رہا ہو تو یہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اختیار کے بغیر دوسرے کے بارے میں دل میں خیال آ گیا یا باقاعدہ سوچ سوچ کر دوسرے کی حقارت کا خیال دل میں لا رہا ہے۔ اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو فرمایا کہ اس خیال کی طرف سے توبہ کرنی چاہئے، یہ اس خیال کے بارے میں ہے جو آدمی سوچ سوچ کر دل میں لا رہا ہے، کیونکہ جب اپنے اختیار سے خیال دل میں لائے گا تو وہ گناہ ہوگا، لیکن چونکہ اس کے ذریعہ دوسرے کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچا، اسلئے یہ حق العبد نہیں بنا، لہٰذا اس خیال کی طرف سے صرف توبہ کر لینا کافی ہے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، معاف فرما دیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے، دوسرے سے معاف کرانے کی ضرورت نہیں۔

غیر اختیاری طور پر خیال آنا

دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اختیاری طور پر دوسرے کے بارے میں خیال آ رہا ہے کہ فلاں شخص ایسا ہے، فلاں شخص ایسا ہے، چونکہ یہ خیال اختیار سے باہر ہے، اس وجہ سے ایسے خیال کا آنا گناہ تو نہیں اور اس خیال پر انشاء اللہ گرفت بھی نہیں ہوگی اور عذاب اور مؤاخذہ بھی نہیں ہوگا اور اس سے توبہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں، لیکن یہ بھی خطرناک حالت ہے، کیونکہ یہ

حالت تمہیں کسی وقت بھی گناہ کے اندر مبتلا کردے گی، یا تو بالآخر اپنے اختیار سے اس کی برائی دل میں لاؤ گے یا اس خیال کے نتیجے میں کوئی ایسا عمل تم سے سرزد ہو جائے گا جو گناہ ہوگا۔ لہٰذا یہ غیر اختیاری بھی گناہ کے قریب پہنچانے والی چیز ہے۔ اس کے دو علاج ضروری ہیں۔

اس خیال کو برا سمجھو

ایک علاج یہ ہے کہ تمہارے دل میں دوسرے کی حسد کا جو غیر اختیاری خیال آرہا ہے یا تحقیر کا خیال آرہا ہے، اس خیال کو دل سے برا سمجھو کہ میرے دل میں جو یہ خیال آرہا ہے، یہ اچھا خیال نہیں، برا خیال ہے اور اس خیال سے بھی بچنے کی کوشش کرے۔

اس کے حق میں دعا کرو

دوسرا علاج یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے تمہارے دل میں حسد پیدا ہو رہا ہے، اس کے حق میں دعا کرو کہ اے اللہ! اس شخص کو دین و دنیا میں ترقی عطا فرمایئے۔ اب دل تو تمہارا یہ چاہ رہا ہوگا کہ یہ شخص مٹی میں مل جائے اور ذلیل ہو جائے، لیکن زبان سے یہ دعا کر رہے ہو کہ اے اللہ! اس کو دین و دنیا کی ترقی عطا فرمایئے، اس دعا کے وقت دل پر آرے چل جائیں گے، لیکن دل پر یہی آرے چلانے مقصود ہیں۔ اور یہ سوچو کہ اس شخص کے ذلیل ہونے سے اور اس کو تکلیف پہنچنے سے میرا کیا فائدہ ہے؟ لہٰذا اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! اس کا درجہ بلند فرمایئے۔ جب یہ دو علاج کرلو گے تو پھر انشاء اللہ وہ غیر

اختیاری خیالات تمہیں آگے چل کر نقصان نہیں پہنچائیں گے اور تمہیں گناہ کے اندر مبتلا نہیں کریں گے۔

اگر توبہ کے بعد حقوق العباد کی ادائیگی کا موقع نہ ملے؟

ایک اور ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

جو شخص توبہ کر کے مر جائے اور اس کو توبہ کے بعد اداء حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے لئے حقوق العباد بھی معاف ہو جائیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرمائیں گے۔ توبہ نہ کرنے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ خواہ اس کو سزا دیں یا بدون سزا ہی بخش دیں اور مظلوم کو جنّت کی نعمتوں سے خوش کر دیں۔ (انفاس عیسیٰ، ص ۱۹۵)

حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے

یہ مسئلہ بار بار عرض کر چکا ہوں کہ حقوق العباد کا عام حکم یہ ہے کہ صرف توبہ کر لینے سے وہ حقوق معاف نہیں ہوتے جب تک اس کو یا تو ادا نہ کر دے یا صاحب حق اس کو معاف نہ کر دے، لہٰذا اگر آپ نے ایک گوشہ میں بیٹھ کر اللہ جل شانہ سے اپنے سارے گناہوں کی طرف سے توبہ کر لی لیکن آپ نے جو دوسرے لوگوں کے پیسے مار رکھے ہیں، وہ محض توبہ سے معاف نہیں ہوں گے، جن کے پیسے تمہارے ذمے ہیں ان کو یا تو ادا کر دو یا صاحب حق سے خوش دلی

سے معاف کراؤ، زبردستی معاف کرانا بھی کافی نہیں۔ اسی طرح اس کے علاوہ اور جسمانی یا نفسانی حقوق ہیں، کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے یا کسی کا دل دکھایا ہے، ان سب حقوق کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک وہ صاحب حق معاف نہیں کرے گا اس وقت تک یہ حقوق معاف نہیں ہوں گے، چاہے کتنی توبہ استغفار کرلو۔ بہرحال! حقوق العباد کے بارے میں عام حکم یہ ہے جو میں نے عرض کر دیا۔

اللہ تعالیٰ بندوں سے معاف کروادیں گے

لیکن اللہ جل شانہ کی بارگاہ کریم کی بارگاہ ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسا ہے جس نے سچے دل سے توبہ تو کرلی اور ارادہ بھی کرلیا کہ جن لوگوں کے حقوق میرے ذمے واجب ہیں، ان تمام صاحب حقوق کو ان کے حقوق ادا کردوں گا، اگر کسی کے پیسے میرے ذمے واجب ہیں تو اس کے پیسے ادا کروں گا، اگر کسی کی میں نے برائی کی ہے یا کسی کی غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگوں گا، اگر کسی کو ستایا ہے تو اس کی تلافی کروں گا، لیکن اس شخص کو توبہ کرنے کے بعد اداء حقوق کا موقع نہ مل سکا بلکہ اداء حقوق کی کوشش شروع کی ہی تھی کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ ایسے شخص کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ ایسی صورت میں اللہ جل جلالہ توبہ ہی سے اس کے حقوق العباد بھی انشاء اللہ معاف فرمادیں گے اور اس کا طریقہ یہ فرمائیں گے کہ اصحاب حقوق کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم تمہیں یہ نعمتیں دیتے ہیں، تم ہمارے اس بندے کو معاف کردو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ حقوق العباد کے بارے میں یہ جو حکم ہے کہ وہ اصحاب حقوق کے معاف کئے بغیر معاف نہیں ہوتے، یہ حکم اس وقت ہے جب اس شخص کو توبہ کرنے کے بعد اداءِ حقوق کا موقع میسر آیا ہو اور تلافی کرنے کا موقع ملا ہو مگر پھر بھی اس نے وہ حقوق ادا نہ کئے ہوں اور ان کی تلافی نہ کی ہو تو وہ حقوق معاف نہیں ہوں گے، لیکن اگر تلافی کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تو پھر اللہ تعالیٰ اصحابِ حقوق سے معاف کرا دیں گے۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ

اس کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ اس شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا، اس کے بعد اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا، جب اللہ تعالیٰ کے پاس جاؤں گا تو میرا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ ایک پادری کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا کہ میں نے ننانوے قتل کر دیئے ہیں اور اب مجھے دل میں اپنے اس گناہ پر شرمندگی ہو رہی ہے، میں اس گناہ کے عذاب سے نکلنا چاہتا ہوں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں، اس لئے آپ مجھے اس عذاب سے نکلنے کی تدبیر بتائیں۔ اس پادری نے ساری باتیں سن کر کہا کہ تیری جان چھوٹنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، کیونکہ تو ننانوے آدمیوں کو قتل کر چکا ہے، وہ سب مر چکے ہیں اور اب ان سے

معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں، اگر ان کے بدلے میں تیرے سے قصاص لیا جائے اور تیرے کو قصاصاً قتل بھی کر دیا جائے تو ایک جان کے بدلے ایک جان ہو جائے گی، پھر اٹھانوے جانوں کا کیا ہوگا، لہٰذا تیرے بچنے کا کوئی راستہ نہیں، تو جہنمی ہے، اس شخص نے کہا کہ ننانوے قتل تو میں نے کر دیئے ہیں، ایک اور سہی، چنانچہ اس نے پادری کو قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا۔

اس کے بعد وہ شخص کسی اور کے پاس گیا اور اس سے اپنا قصہ ذکر کیا، اس نے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور فلاں علاقے میں نیک لوگوں کی بستی ہے تو اس بستی میں چلا جا اور وہاں پر نیک لوگوں کی صحبت اختیار کر، اس کے نتیجے میں تیری حالت بہتر ہوگی اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرما دیں گے۔ چنانچہ وہ شخص اس خیال سے کہ اب میں وہاں جا کر اپنی زندگی میں تبدیلی لاؤں گا اور وہاں کے لوگوں کی صحبت اختیار کروں گا اور گناہوں سے معافی مانگنے کا جو طریقہ ہوگا اس کو اختیار کروں گا، یہ سب باتیں سوچ کر اس بستی کی طرف چل پڑا، ابھی راستے میں ہی تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کی روح لینے کے لئے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب دونوں وہاں پہنچ گئے اور ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا، ملائکہ رحمت نے کہا کہ یہ ہمارا آدمی ہے اور جنت میں جانے کے قابل ہے، اس لئے کہ یہ شخص توبہ کر کے گھر سے نکلا تھا، اور ملائکہ عذاب نے کہا کہ یہ ہمارا آدمی ہے، اس لئے کہ اس کی گردن پر سو آدمیوں کے قتل کا گناہ ہے، یہ جہنم کے قابل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کے درمیان یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ دیکھو کہ یہ شخص کس بستی سے

زیادہ قریب ہے؟ چنانچہ دونوں بستیوں کے درمیان فاصلہ ناپا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ نیک لوگوں کی بستی جس کی طرف وہ جا رہا تھا، ایک ہاتھ زیادہ قریب تھا اس بستی کے مقابلے میں جس بستی سے وہ چلا تھا، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ بس اس کو ملائکہ رحمت لیجائیں، یہ جنتی ہے۔

حدیث کا مطلب

علماء کرام نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس آدمی کے ذمے سو آدمیوں کا قتل تھا، لیکن اللہ جل شانہ ان مقتولین کو اس طرح راضی فرما دیں گے کہ وہ لوگ اپنے اپنے حقوق کو اس کے حق میں معاف کر دیں گے۔ لیکن یہ صورت اس وقت ہے جب آدمی ان حقوق کی تلافی کی پوری کوشش کر چکا ہو اور پھر اسکا انتقال ہو گیا ہو، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ راستہ نکالا ہے۔

صلوٰۃ التوبہ پڑھکر توبہ کرنے کی مصلحتیں

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

اگر گناہ صادر ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھو اور پھر توبہ کرو۔ اس طرح توبہ کرنے میں متعدد مصلحتیں ہیں۔ (۱) ''اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ'' یعنی نیکیاں گناہوں کو زائل کرتی ہیں۔

(۲) نماز کے بعد توبہ کرنے میں دل حاضر ہوگا اور قبول

توبہ کے لئے حضورِ قلب ضروری ہے۔ (۳) چونکہ نفس کو نماز سے شاق ہے، اس لئے نفس گناہوں سے گھبرائے گا کہ کہاں کی علّت سر لگی بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دے گا، کیونکہ وہ دیکھے گا کہ میں اس سے دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعتیں پڑھے گا، گناہ تو توبہ سے معاف ہو جائے گا اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی۔ (انفاس عیسیٰ، ص ۱۹۶)

نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں

فرمایا کہ توبہ کرنے کے لئے دو رکعت پڑھنے میں کئی فائدے ہیں، ایک فائدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

یعنی نیکیاں بُرائیوں کو زائل کر دیتی ہیں، برائیوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، مثلاً کوئی صغیرہ گناہ آپ سے سرزد ہوا، آپ نے وضو کر لیا تو اس وضو کے نتیجے میں وہ گناہ معاف ہوگیا، یا نماز پڑھ لی تو وہ گناہ معاف ہوگیا، کیونکہ نیکیاں بُرائیوں کو زائل کرتی رہتی ہیں، لہٰذا جب صلوٰۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعتیں پڑھو گے تو صغیرہ گناہ تو خود ہی معاف ہو جائیں گے۔

نماز کے بعد دل حاضر رہتا ہے

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نماز کے بعد توبہ کرنے میں دل حاضر رہتا ہے اور

اس وقت خشوع وخضوع ہوتا ہے اور توبہ کے لئے حضور قلب ضروری ہے۔

شیطان گناہ کرانے سے گھبرائے گا

تیسرا فائدہ ہے کہ آئندہ بھی شیطان گناہ کرانے سے گھبرائے گا اور یہ سوچے گا کہ اگر میں نے اس سے گناہ کرا بھی لیا تو یہ شخص دو رکعت پڑھ کر توبہ کرے گا، اس کے نتیجے میں توبہ سے وہ گناہ معاف ہو جائے گا اور دو رکعتیں اس کو نفع میں حاصل ہو جائیں گی، لہٰذا شیطان یہ سوچے گا کہ بہتر یہ ہے کہ اس سے گناہ ہی مت کراؤ، اس سے گناہ نہ کرانا بہتر ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صلوٰۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعت پڑھ کر توبہ کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور گناہوں سے بچتے ہوئے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فرمانبرداری کے ساتھ جینا

دیکھئے! جیتے وہ بھی ہیں جو نافرمانی کر کے جیتے ہیں اور جیتے وہ بھی ہیں جو فرمانبرداری کر کے جیتے ہیں، جو فرمانبرداری کر کے جیتے ہیں انہیں فرمانبرداری کر کے موت نہیں آجاتی بلکہ اگر حقیقت شناس نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ جیتے وہی ہیں جو فرمانبرداری کر کے جیتے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۔ (سورۃ الانفال، آیت ۲۴)

یعنی اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کا حکم مانو جس وقت بلائیں تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔ لہٰذا حقیقی زندگی تو وہی ہے جو ان کی اطاعت میں گزرے، اور جو زندگی ان کی نافرمانی میں گزرے، وہ دیکھنے میں تو زندگی نظر آرہی ہے لیکن حقیقت میں موت سے بدتر ہے۔

زندگی کا لطف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا لطف اور زندگی کا کیف بھی انہی لوگوں کو حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زندگی گزارتے ہیں اور جو گناہ کی زندگی ہے، وہ دیکھنے میں چاہے مزے کی زندگی نظر آئے لیکن اس زندگی کے اندر سکون نہیں، وہ کھوکھلی زندگی ہے۔ اور دنیا کی کھوکھلی زندگی کی لذتوں کے شیدائی خودکشی کر کے مر رہے ہیں، اس لئے کہ باوجود ہزار لذتوں کے سکون قلب میسر نہیں۔ اور یہ سکون کس طرح حاصل ہو؟ قرآن کریم نے فرمایا:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد، آیت ۲۸)

یعنی اطمینان تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا پُرکیف زندگی، پُرلطف زندگی، عافیت، آرام اور راحت کی زندگی وہی ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں گزرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو سکون اور راحت والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

دعا

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ

مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۔ يَا مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك، اَللّٰهُمَّ اِنا نَسْئَلُكَ التوفيق لمحابك من الاعمال وَصِدْقَ التوكل عليك وَ حُسْنَ الظَّنِّ بِكَ، اَللّٰهُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَا صِيَنَا وَجَوَارِحَنَا بِيَدِكَ، لَمْ تُمَلِّكْنَا مِنْهَا شَيْئًا فَاِذَا فَعَلْتَ ذَالِكَ بنا فَكُنْ اَنْتَ وَلِيَّنَا وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ محمدٌ صلى الله عليه وسلم و نعوذبك من شرما استعاذك منه عبدك و نبيك محمد صلى الله عليه وسلم، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التّواب الرحيم، وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله و اصحابه اجمعين ۔ آمين برحمتك يا ارحم الراحمين ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مجلس نمبر ۹۷

گناہوں کا تریاق ۔ توبہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۷۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

گناہوں کا تریاق۔توبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْہِ وَعَلٰى اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ملفوظ

ارشاد فرمایا کہ:

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں سب کو بخش دوں گا اور گناہوں کی کثرت کی پرواہ نہ کروں گا۔ پس عمر گزشتہ کے ضائع ہونے کا بھی علاج موجود ہے، لاعلاج کوئی مرض نہیں، وہ علاج یہ ہے کہ توبہ کرو اور توبہ کا طریقہ بھی کسی شیخ ہی سے پوچھو اور جو کچھ وہ بتلائے پھر اس میں اپنی رائے نہ لگاؤ، آج کل خود رائی کا مرض بہت پھیل رہا ہے، اسی لئے لوگوں کو راستہ نہیں ملتا۔

(انفاس عیسیٰ: ص ۱۹۷)

حسرت کے بجائے توبہ کرلو

اکثر و بیشتر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ ہم نے ساری عمر گناہوں میں ضائع کردی۔ اس کا جواب حضرت والا اس ملفوظ میں یہ دے رہے ہیں کہ بیٹھے ہوئے حسرت کرتے رہنا کہ ہم نے اپنی عمر ضائع کردی، یہ حسرت کرنے سے کیا فائدہ؟ اگر آپ نے اپنی عمر ضائع کردی ہے تو اس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرلو، کوئی مرض لاعلاج نہیں۔

گناہ مایوسی پیدا نہ کرے

اس ملفوظ کے ذریعہ حضرت والا بتلانا چاہتے ہیں کہ گناہ کی شدت ہو یا کثرت ہو، ان میں کوئی چیز بھی تمہارے اندر مایوسی پیدا نہ کرے۔ یعنی چاہے کتنا ہی بڑا گناہ کیا ہو یا کتنے ہی زیادہ گناہ کئے ہوں، چاہے زمین و آسمان بھر کر گناہ کئے ہوں، اس کے بعد مغفرت چاہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں مغفرت کر دوں گا۔ صاف صاف الفاظ میں قرآن کریم کے اندر فرمایا:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ
الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ○

(سورۃ الزمر: آیت ۵۳)

یعنی اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یعنی گناہ کئے اور معصیتوں کا ارتکاب کیا۔ اور کفر میں شرک میں اور بدعات کے اندر مبتلا رہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بے شک تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہوگی۔

شیطان مایوسی پیدا کرتا ہے

شیطان انسان کی راہ یہاں سے مارتا ہے کہ اس کے اندر یہ خیال ڈالتا

ہے کہ تو مردود ہو گیا، تو نے ایسے ایسے گناہ کئے ہیں اور اتنے زیادہ گناہ کئے ہیں کہ اب تیری نجات کا کوئی راستہ نہیں، لہٰذا اب تو جو چاہے گناہ کر، اس طرح اس کو راستے سے بھٹکا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سے کیسا ہی گناہ سرزد ہوا ہو اور کتنے ہی گناہ سرزد ہوئے ہوں، میرے پاس لوٹ آؤ۔

توبہ کا بار بار ٹوٹ جانا

بعض اوقات یہ خیال آتا ہے کہ ہم توبہ کرتے ہیں لیکن وہ گناہ پھر سرزد ہو جاتا ہے اور توبہ ٹوٹ جاتی ہے، پھر توبہ کرتے ہیں پھر ٹوٹ جاتی ہے، بار بار ایسا ہوتا رہتا ہے، اس سے طبیعت میں مایوسی ہونے لگتی ہے کہ میری اصلاح کی کوئی توقع نہیں، کیونکہ اللہ کے بندے توبہ کر کے اس پر ثابت قدم رہتے ہیں، لیکن میں توبہ کرتا ہوں وہ توبہ ٹوٹ جاتی ہے، پھر توبہ کرتا ہوں پھر ٹوٹ جاتی ہے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بھی کوئی مایوسی کی بات نہیں، اتنی بات تو ضرور ہے کہ اپنی طرف سے توبہ پر قائم رہنے کی پوری کوشش کرو اور کرتے رہو اور گناہ پر جرأت پیدا نہ کرو، پھر بھی اگر غلطی ہو جائے تو توبہ کرلو، پھر غلطی ہو جائے پھر توبہ کرلو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔

(سورۃ البقرۃ: آیت ۲۲۲)

اس آیت میں "التَّوَّابِیۡنَ" کا لفظ لائے ہیں، حالانکہ توبہ کرنے والے کو تائب کہتے ہیں، لہٰذا اصل میں "تَائِبِیۡنَ" کہنا چاہئے تھا مگر اس کے بجائے "توّابین" کا لفظ لائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، لہٰذا اس کے معنی ہوئے بہت توبہ کرنے والے اور کثرت سے توبہ کرنے والے۔

بار بار توبہ کی کیا ضرورت ہے؟

ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان سے گناہ سرزد ہوا اور وہ ان گناہوں سے توبہ کرکے فارغ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سارے گناہوں سے معافی مانگ لی اور اس پر جم گیا تو اب دوبارہ توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ایسا شخص بار بار توبہ کرنے والا نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ذکر ہی ان لوگوں کا ہو رہا ہے جن سے ایک مرتبہ غلطی ہوئی اور انہوں نے توبہ کرلی، پھر دوبارہ غلطی ہوئی پھر توبہ کرلی، پھر غلطی ہوئی پھر توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے۔

لہٰذا اس آیت میں "تَوَّابٌ" کا لفظ خود اس بات کی طرف دلالت کر رہا ہے کہ اپنی طرف سے تو پکی توبہ کرو اور پھر اس توبہ پر پوری طرح ثابت قدم رہنے کی کوشش کرو، لیکن تم پھر دوبارہ کہیں نہ کہیں پھسلو گے اور جب پھسل جاؤ تو اس وقت گھبرانا مت اور مایوس مت ہوجانا بلکہ دوبارہ ہمارے پاس لوٹ آنا۔ کیونکہ "توبہ" کا لفظ "تَابَ یَتُوۡبُ" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں لوٹ آنا

اور رجوع کرنا، لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کثرت سے لوٹتے ہیں۔ اسلئے مایوسی کے کوئی معنی نہیں، بلکہ غلطی ہو جائے تو دوبارہ لوٹ آؤ، پھر غلطی ہو جائے پھر لوٹ آؤ۔

توبہ کے نتیجے میں گناہ کم ہوتے چلے جائیں گے

بس اس بات کا اہتمام کرلو کہ کوئی غلطی توبہ کے بغیر نہ گزرے، اور نہ گناہ ہو جانے کے بعد توبہ کرنے میں دیر لگاؤ بلکہ جیسے ہی غلطی ہو جائے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو، اور فوراً توبہ کرلو۔ جب یہ کرو گے تو اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر یہ گناہ ہونا اور پھسلنا بھی کم ہوتا چلا جائے گا، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھیں گے کہ یہ میری طرف لوٹتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرما دیں گے کہ پھر انشاء اللہ پھسلنا بھی کم ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا:

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا۔

(سورۃ التوبہ: آیت ۱۱۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو لفظ اپنے لئے استعمال فرمایا وہی لفظ بندوں کے لئے استعمال فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف لوٹتے ہیں اور متوجہ ہوتے ہیں تاکہ بندے توبہ کرلیں اور لوٹ آئیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جو بندہ

بار بار رجوع کرتا ہے، استغفار کرتا ہے تو پھر اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کو پھسلنے نہیں دیتے۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا کہ:

مَا اَصَرَّ من استغفر

(ترمذی، کتاب الدعوات، باب نمبر ۱۱۹، حدیث نمبر ۳۵۵۴)

یعنی جو بندہ گناہوں سے استغفار کرتا رہتا ہے، وہ گناہوں پر اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ''استغفار'' ہر مؤمن کے ہاتھ میں ایسا تریاق دیدیا ہے کہ جب بھی نفس و شیطان تمہیں ڈس لیں تو فوراً یہ تریاق استعمال کرلو اور استغفار کرو اور توبہ کرو۔ لہٰذا کتنی ہی مرتبہ غلطی ہوگئی ہو، اس کی وجہ سے گھبراؤ نہیں اور مایوس مت ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

دل میلا ہو جائے تو اس کو دھلوالو

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے کسی نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! جب ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو بڑی روحانیت اور للّٰہیت معلوم ہوتی ہے اور جب مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو پھر وہی دنیا کے قصے شروع ہو جاتے ہیں، جبکہ توبہ بھی کرلی اور استغفار بھی کرلیا لیکن پھر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جب تم سفید کپڑے پہنتے ہو، یہ کپڑے ہمیشہ سفید رہتے ہیں یا کبھی میلے بھی ہو جاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ کچھ دیر کے بعد میلے ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ جب میلے ہو جاتے ہیں تو کیا کرتے ہو؟

ان صاحب نے جواب دیا کہ وہ دھوبی کو دیدیتے ہیں، جب وہ دھودیتا ہے تو پھر وہ سفید ہو جاتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں بھی دھوبی ہوں، جب تمہارے کپڑے میلے ہو جائیں تو میرے پاس آجاؤ اور کپڑے دھلوالو اور پاک صاف ہو جاؤ۔ درحقیقت یہ توبہ گناہوں کے میل کچیل کو دھوتی ہے، ایک مرتبہ میل کچیل لگ گیا، توبہ کرلو، پھر لگ گیا پھر توبہ کرلو، البتہ عام کپڑوں کا معاملہ یہ ہے کہ جتنا اس کو دھوگے، کپڑا کمزور ہوتا جائے گا، رفتہ رفتہ پھٹ جائے گا، اور گناہوں کے میل کچیل کو دل سے جتنا دھوگے، اتنا ہی یہ دل مضبوط ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اندر قوت آئے گی، پھر انشاء اللہ گناہوں کی تعداد میں بھی کمی آئے گی اور اس کی شدت میں بھی کمی آئے گی۔

ایک خوبصورت دُعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا

استبشروا وَاِذَا اَسَاؤا استغفروا

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جو کوئی اچھا کام کریں تو خوش ہوں، نیک کام پر ان کو خوشی ہو اور جب کبھی غلطی ہو تو استغفار کریں۔ دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! مجھے ایسا بنا

دیجئے۔ اگر یہ عادت پڑ گئی کہ ہر غلطی پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے استغفار کرنا ہے تو بس کامیابی کا دروازہ کھل گیا، انشاء اللہ پھر کامیابی ہوگی۔

ایسی تیسی میرے گناہوں کی

ہمارے بزرگ تھے حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس اللہ سرہٗ بڑے اچھے شعر کہا کرتے تھے، ایک شعر میں انہوں نے فرمایا:

دولتیں مل گئی ہیں آہوں کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

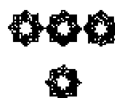
مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمادی کہ اپنے گناہوں پر ندامت ہونے لگی، دل سے آہیں نکلنے لگیں کہ ہائے مجھ سے یہ کیا ہوگیا اور توبہ کی توفیق ہوگئی تو بس پھر گناہوں کی ایسی تیسی ہوگئی۔ بہرحال! ایک مرتبہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اجمالی توبہ کرلو پھر اس کے بعد پکا ارادہ کرلو کہ اے اللہ! اپنے اختیار سے گناہ نہیں کروں گا، اے اللہ! میں ارادہ تو کر رہا ہوں لیکن اس ارادہ پر ثابت قدم رہنا میرے بس کا کام نہیں جب تک آپ کی طرف سے توفیق نہ ہو، لہٰذا اے اللہ! مجھے ثابت قدم رہنے کی توفیق بھی آپ ہی عطا فرمایئے۔

اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

اللہ تعالیٰ سے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کیا کرو اور یوں کہا کرو کہ یا اللہ! میں نے توبہ تو کرلی ہے اور اپنی طرف سے پکا ارادہ بھی کرلیا لیکن اس توبہ پر ثابت قدم رہنا میرے بس کا کام نہیں جب تک آپ کی طرف سے توفیق نہ ہو، لہٰذا یا تو مجھے اس توبہ پر استقامت عطا فرمادیں یا پھر مجھ سے آخرت میں مؤاخذہ نہ فرمائیے گا۔ پھر اگر بالفرض کوشش کے باوجود کسی وقت قدم پھسل گیا تو پھر توبہ کرلو، استغفار کرلو، بس ساری عمر یہی کرتے رہو، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

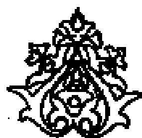
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مجلس نمبر ۸۰

گناہوں کی تکمیل کیلئے گناہ چھوڑنے کا عزم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۵
مجلس نمبر : ۸۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

گناہوں کی تکمیل کیلئے
گناہ چھوڑنے کا عزم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشۡھَدُاَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلاَنَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔ أَمَّا بَعۡدُ!

چند روز سے توبہ کا بیان چل رہا ہے اور اصلاح نفس کے راستے میں سب سے پہلا قدم توبہ کی تکمیل ہے۔ آگے ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> اگر توبہ کے وقت عزمِ ترک فی المستقبل نہ ہو تو عزمِ عمل فی المستقبل بھی نہ ہو بلکہ عزمِ عمل سے ذہن خالی ہو، اگر اس طرح خالی الذہن ہو کر بھی توبہ ندامت کے ساتھ ہوگئی تو توبہ صحیح ہوگئی۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۱۹۷)

تکمیلِ توبہ کی تین شرطیں

اس ملفوظ میں مختصر لفظوں میں بہت بڑا مضمون حضرت والا نے بیان فرمایا ہے جس میں ہم جیسے کمزوروں کے لئے بڑی تسلی کا سامان ہے۔ توبہ کے بارے میں تمام حضرات صوفیاءؒ یہ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں سے توبہ کی تکمیل ہوتی ہے، پہلی چیز یہ ہے کہ جو گناہ سرزد ہوا ہے، دل سے اس پر ندامت اور شرمندگی ہو کہ مجھ سے یہ غلطی ہوگئی، دوسری چیز یہ ہے کہ اس گناہ کو فوراً چھوڑ دے، مثلاً ایک شخص نے جھوٹ بولا، اب اس جھوٹ سے توبہ کرنا چاہتا ہے تو پہلے تو ندامت پیدا کرے کہ مجھ سے یہ کیسی غلطی ہوگئی کہ میں نے یہ جھوٹ بولدیا اور پھر فوراً جھوٹ بولنا چھوڑ دے، تیسری چیز یہ ہے کہ آئندہ کے لئے یہ عزم کرے کہ میں آئندہ ہرگز یہ کام نہیں کروں گا، جب یہ تین چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تو پھر توبہ کامل ہو جاتی ہے۔

تیسری چیز کے پائے جانے میں شک

جہاں تک پہلی دو چیزوں کا تعلق ہے یعنی اس گناہ پر نادم اور شرمندہ ہونا

اور اس گناہ کو چھوڑ دینا، ان دونوں پر عام طور پر عمل ہو جاتا ہے اور ان کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ جہاں تک تیسری چیز کا تعلق ہے یعنی آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کرنا کہ میں آئندہ ہرگز اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا، اس میں یہ شبہ رہتا ہے کہ میرا یہ عزم کامل ہوا یا نہیں؟ جبکہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا توبہ کا لازمی جز ہے، جب اس میں شبہ پیدا ہو گیا تو اس کے نتیجے میں توبہ مشکوک ہوگئی، اور جب توبہ مشکوک ہوگئی تو گناہ معاف نہیں ہوں گے، کیونکہ اگر توبہ صحیح ہو تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا وعدہ ہے، لیکن اگر توبہ کے صحیح ہونے میں ہی شک ہوگا تو گناہ کے معاف ہونے میں بھی شک ہو جائے گا۔ بہرحال! اس تیسری چیز کے بارے میں اکثر و بیشتر دلوں میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

رات کو سونے سے پہلے توبہ کر لیا کرو

ہمارے بزرگ حضرت بابا نجم احسن رحمۃ اللہ علیہ توبہ پر بہت زور دیا کرتے تھے۔

چنانچہ میں ایک دن ان کے پاس گیا تو اس وقت ایک نوجوان اپنے کسی کام سے ان کے پاس آیا ہوا تھا، اس نوجوان میں سر سے لے کر پاؤں تک دینداری کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص بھی ان کے پاس آتا تو اس کے کان میں کوئی دین کی بات ڈال دیتے تھے، چاہے وہ کسی بھی مقصد سے آیا ہو، لہٰذا جب وہ نوجوان واپس جانے لگا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ:

بیٹا ایک بات سنتے جاؤ، وہ یہ کہ لوگ دین کو بہت مشکل
سمجھتے ہیں کہ دین پر عمل کرنا بڑا مشکل کام ہے، ارے
کچھ بھی مشکل نہیں، بس رات کو سونے سے پہلے تھوڑی
دیر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرلیا کرو۔

وہ نوجوان آدمی تھا، نہ نماز، نہ روزہ، نہ کوئی اور عبادت کرتا تھا لیکن حضرت والا نے اس کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ بس توبہ کرلیا کرو۔

اللہ والے لوگوں کو قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں

اب نیا آدمی جو ناشناس ادا ہوگا وہ تو اس واقعہ کو دیکھ کر یہ سمجھے گا کہ حضرت نے اس کو کھلی چھٹی دیدی کہ تو جو چاہے کرتا رہ، نماز بھی نہ پڑھ، روزہ بھی نہ رکھ اور گناہ بھی کرتا رہ لیکن رات کو بیٹھ کر توبہ کرلیا کر۔ یہ چھوٹ دینا ان کے لئے کیسے درست ہوا؟

بات دراصل یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے جن کو اللہ تعالیٰ فہم عطا فرماتے ہیں، یہ حضرات لوگوں کو شکار کرتے ہیں اور شکار کرنے کے لئے جس طرح دانہ ڈالا جاتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کا بھی شکار کرنے کا ایک طریقہ ہے، کیونکہ اگر اس نوجوان سے یہ کہہ دیتے کہ تو روزانہ پانچ وقت نماز پڑھا کر اور یہ جو بے ہودہ لباس پہن رکھا ہے اس کو چھوڑ اور تو نے داڑھی منڈائی ہوئی ہے، اس کو چھوڑ تو وہ نوجوان پہلے دن ہی بھاگ جاتا اور کبھی واپس نہ آتا۔ اس لئے حضرت نے اس سے صرف ایک بات یہ فرمادی کہ رات کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرلیا کر۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ دیا

بات دراصل یہ ہے کہ اگر اس نوجوان نے اس بات پر عمل کرلیا کہ روزانہ رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرنے لگا تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق جڑ گیا، کیونکہ اب تک وہ غفلت میں تھا، اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کٹا ہوا تھا اور کبھی اس کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی نہیں آتا تھا، اب جس وقت توبہ کرے گا تو ایک لمحہ کے لئے وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑے گا اور جب روزانہ اس پر عمل کرے گا تو یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف نہ کھینچ لیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ (سورۃ الشوریٰ: آیت ۱۳)

عام طور پر اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور منتخب کرلیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس بندے کے بارے میں ارادہ فرمالیا کہ اس کو ہدایت دینی ہے اور اس کو اپنا مقرب بنانا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ عام طور پر یہ ترجمہ کیا جاتا ہے۔

اس آیت کا دوسرا ترجمہ

لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ عربی جاننے والوں سے پوچھو تو وہ بتائیں گے کہ اس آیت کا ترجمہ یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ مجھے کھینچ لیا جائے۔ کیونکہ لفظ "یَشَاءُ" کے فاعل کی ضمیر جس طرح "اللہ" کی طرف لوٹ سکتی ہے، اسی طرح لفظ "مَنْ" کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ اور "یَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ" کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس شخص کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے تعلق جوڑ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ضرور کھینچ لیں گے

لہٰذا جب ایک بندے نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑ لیا، چاہے تھوڑی دیر کے لئے تعلق جوڑا ہو اور کہا کہ یا اللہ! میں توبہ کرتا ہوں اور اے اللہ! مجھے اپنی طرف کھینچ لیجئے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کھینچ ہی لیں گے۔ بہرحال! بندے کا کام یہ ہے کہ ذرا سا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس سے مانگے کہ اے اللہ! مجھے آپ کیوں محروم فرماتے ہیں، مجھے بھی اپنی طرف کھینچ لیجئے اور اے اللہ! اگر میرے اندر شرائط نہیں پائی جاتیں تو وہ شرائط میرے اندر پیدا کر دیجئے، اگر میرے اندر وہ تقاضے اور اوصاف نہیں ہیں تو اے اللہ! ان اوصاف کو میرے اندر پیدا کرنا آپ کی قدرت میں ہے، اے اللہ! وہ اوصاف اور تقاضے میرے اندر پیدا کر دیجئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے مانگو اور جب ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے تعلق جڑ گیا تو بس یہ تبدیلی کا نقطہ آغاز ہے۔ اب جو شخص غفلت میں زندگی گزار رہا ہے، اس کو نہ تو اللہ تعالیٰ کا خیال اور نہ رسول ﷺ کا

خیال، نہ نماز کا خیال، نہ روزے کا خیال، نہ آخرت کا خیال، نہ دین کا خیال، اس شخص کو حضرت نے یہ فرمادیا کہ تو رات کو بیٹھ کر توبہ کرلیا کر، اگر اس شخص نے اس پر عمل کرلیا ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ شخص واپس نہ آیا ہو اور دین کی طرف نہ آیا ہو۔ بہرحال! دوسروں کی اصلاح کے لئے بزرگ یہ طریقے اختیار کرتے ہیں، اسی طرح حضرت بابا صاحب نے اس نوجوان کے کان میں یہ بات ڈال دی اور وہ چلا گیا۔

میرے دل میں عزم کے بارے میں اشکال

میں نے حضرت بابا صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! میرے دل میں توبہ کے بارے میں یہ اشکال رہتا ہے کہ میں نے توبہ تو کرلی لیکن کیا پتہ کہ وہ توبہ صحیح ہوئی یا نہیں؟ کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گناہ چھوڑنے کا جو عزم کیا ہے وہ پختہ ہوا یا نہیں، اس کا اطمینان نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے یہ تو کہہ دیا کہ اے اللہ! مجھ سے گناہ سرزد ہوگیا، میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے، اور وقتی طور پر اس گناہ کو چھوڑ بھی دیا لیکن آئندہ ساری عمر کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا، یہ عزم پکا ہوا یا نہیں؟ اس کا اطمینان نہیں ہوتا اور یہ عزم توبہ کی تیسری شرط ہے، جب اس شرط کے پائے جانے میں شبہ ہوتا ہے تو توبہ کے درست ہونے میں بھی شبہ رہتا ہے کہ یہ توبہ درست ہوئی یا نہیں؟

آئندہ گناہ ہوجانے کا اندیشہ عزم کے منافی نہیں

حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میری بات سن کر فرمایا کہ

ارے بھائی! تم نے اپنے ذہن میں عزم کا بہت بڑا لمبا چوڑا معیار قائم کر رکھا ہے، ارے بھائی! عزم کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طرف سے ارادہ کرلو کہ میں یہ کام دوبارہ نہیں کروں گا، پھر اگر دل میں یہ وسوسے، خدشات اور اندیشے آ رہے ہیں کہ معلوم نہیں کہ میں اس عزم پر ثابت قدم رہوں گا یا نہیں؟ میں اس عزم کو پورا کرسکوں گا یا نہیں؟ یہ اندیشے اور وسوسے عزم کی صحت کے منافی نہیں۔

مثلاً اپنی طرف سے یہ عزم کرلیا کہ یا اللہ! اب میں جھوٹ نہیں بولوں گا، اب غیبت نہیں کروں گا، اب اپنی نگاہ غلط جگہ پر نہیں اٹھاؤں گا۔ اب اس عزم کے بعد دل میں یہ وسوسہ آ رہا ہے کہ پتہ نہیں میں اس عزم پر قائم رہ سکوں گا یا نہیں؟ تو اس وسوسے کو آنے دو، کیونکہ یہ وسوسہ عزم کے مکمل ہونے میں مانع نہیں، بس عزم مکمل ہوگیا۔

پھر اللہ تعالیٰ سے استقامت طلب کرو

پھر اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! میں نے تو اپنی طرف سے عزم کرلیا، لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اس عزم پر کیسے قائم رہوں گا، اے اللہ! آپ ہی مجھے توفیق عطا فرمایئے، آپ ہی مجھے استقامت عطا فرمایئے اور آپ ہی مجھے اس عزم پر قائم اور دائم رکھیے۔ بس توبہ مکمل ہوگئی۔ اس لئے کہ ''عزم'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے ارادہ کرلینا، اب اس ارادہ پر میں کتنا قائم رہوں گا اور کتنا قائم نہیں رہوں گا، اس کی پیشگوئی تو کوئی بھی نہیں کرسکتا، یہ کسی کے بس میں نہیں، یہ اختیار سے باہر ہے اور جب اختیار سے باہر ہے تو انسان

اس کا مکلف نہیں، کیونکہ انسان اپنے اختیاری امور کا مکلف ہے۔ حضرت بابا صاحب نے ایسی بات فرمادی کہ الحمدللہ، اس سے بڑا اطمینان ہوا اور تسلی حاصل ہوگئی۔

عزم عمل سے ذہن خالی ہونا چاہئے

بعد میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ نظر سے گزرا جس میں وہی بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے جو حضرت بابا صاحب نے فرمائی، فرمایا کہ:

> اگر توبہ کے وقت عزمِ ترک فی المستقبل نہ ہو تو عزم عمل فی المستقبل بھی نہ ہو بلکہ عزم عمل سے ذہن خالی ہو، اگر اس طرح خالی الذہن ہوکر بھی توبہ ندامت کے ساتھ ہوگئی تو توبہ صحیح ہوگئی۔

یعنی اصل بات تو یہ ہے کہ توبہ کے وقت گناہ نہ کرنے کا ارادہ ہو کہ میں آئندہ کبھی کسی قیمت پر بھی یہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر کسی وجہ سے اس ارادہ کا استحضار نہ رہا تو کم از کم اس گناہ کے دوبارہ کرنے کا بھی ارادہ نہ ہو بلکہ عزم عمل سے ذہن خالی ہو، یعنی نہ تو یہ ارادہ ہو کہ یہ گناہ کروں گا اور نہ یہ ارادہ ہو کہ یہ گناہ نہیں کروں گا، دونوں سے ذہن خالی ہو تب بھی توبہ درست ہے۔ کیوں درست ہے؟

توبہ ''ندامت'' ہی کا نام ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ویسے ہی اپنی طرف سے بات نہیں کرتے بلکہ اس کے پیچھے کوئی دلیل ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی دلیل کے طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا کہ:

الندم توبة۔

(مسند احمد، ج اول، ص ۳۷۶)

یعنی توبہ کا اصل عنصر اور اصل جوہر جس سے توبہ وجود میں آتی ہے، وہ ہے ندامت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پشیمان ہونا، نادم ہونا، شرم سار ہونا۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے گناہ پر نادم ہے تو اس کے دل میں یہ بات ہے کہ یا اللہ! میں نہیں چاہتا کہ میں یہ عمل دوبارہ کروں، بس اس ندامت کے نتیجے میں توبہ درست ہوگئی اور جب توبہ درست ہوگئی تو انشاء اللہ وہ گناہ بھی معاف ہوگیا۔ اب اس وسوسہ کے اندر مت پڑو کہ پتہ نہیں عزم مکمل ہوا یا نہیں۔

توبہ کے بعد یہ دعا کرلو

البتہ ہر توبہ کے بعد یہ دعا ضرور کرلو کہ اے اللہ! میں نے یہ توبہ تو کرلی لیکن اے اللہ! جب تک آپ توفیق نہیں دیں گے، میں اس توبہ پر قائم نہیں رہ سکوں گا، اے اللہ! اپنی رحمت سے اس توبہ پر قائم رہنے کی آپ ہی توفیق عطا فرما دیجئے۔ فرض کرو کہ پھر غلطی سے کسی وقت بھٹک گئے تو پھر توبہ کرلو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ مرتے دم تک کھلا رکھا ہے، جب تک نزع کی

کیفیت اور سکرات الموت کی کیفیت طاری نہیں ہو جاتی، اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، لہٰذا غلطی ہو جائے پھر لوٹ آؤ۔

توبہ کے بھروسہ پر گناہ مت کرو

البتہ کوئی شخص اس سے یہ نہ سمجھے کہ اب گناہ کی چھوٹ ہوگئی، بس گناہ کرتے رہو اور توبہ کرتے رہو اور گناہ پر جرأت حاصل کرلو۔ یہ نہیں، بلکہ اپنی طرف سے اس بات کا پورا اہتمام کرنا ہے کہ گناہ سے بچے، آدمی اگر گناہوں پر جری ہو جائے۔ العیاذ باللہ۔ اور توبہ کی امید پر گناہ کا ارتکاب کرلے کہ بعد میں توبہ کرلوں گا تو یہ بڑی خطرناک بات ہے، یہ شیطان کا انتہائی خطرناک اور زہریلا داؤ ہے۔ یاد رکھئے! توبہ کے بھروسہ پر گناہ کا ارتکاب کرنا ایسا ہی ہے جیسے ''تریاق'' کے بھروسہ پر زہر پی لینا۔

بچھو کے کاٹے کا عمل

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو سمجھانے کے لئے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ دیوبند میں سانپ، بچھو بہت ہوا کرتے تھے، آئے دن لوگوں کو کاٹتے رہتے تھے، اس لئے وہاں سانپ بچھو کے کاٹنے کے بہت سے عمل بھی ہوتے تھے، اگر وہ عمل کرلیا جائے تو وہ زہر اتر جاتا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بچھو کے کاٹنے کا ایک عمل سیکھ لیا تھا، اگر کسی کو بچھو کاٹ لیتا تو حضرت والد صاحب وہ عمل فرماتے تو اسی وقت بلا تاخیر وہ درد ختم ہو جاتا اور زہر اتر جاتا، چنانچہ لوگ دور دور کے

دیہاتوں سے اپنے مریضوں کو لے کر والد صاحب کے پاس آیا کرتے تھے، آپ دم فرمادیتے، وہ درد فوراً ختم ہو جاتا۔ حضرت والد صاحب کا یہ عمل ہر جگہ مشہور ہو گیا۔

بچھو کے کاٹنے کا ایک واقعہ

حضرت والد صاحبؒ کے گھر میں ایک کوٹھری تھی جو بطور اسٹور کے استعمال ہوتی تھی، اس زمانے میں بجلی تو نہیں تھی، لالٹینوں کا زمانہ تھا، ایک دن ہماری والدہ صاحبہ اس کوٹھری سے کوئی چیز نکالنا چاہتی تھیں، گھر میں ایک لالٹین تھی جو اس وقت حضرت والد صاحب کے پاس تھی اور حضرت والد صاحب لالٹین کی روشنی میں لکھنے پڑھنے کا کام کر رہے تھے، ہماری والدہ صاحبہ نے والد صاحب سے کہا کہ میں ذرا کوٹھری میں جانا چاہتی ہوں، آپ یہ لالٹین تھوڑی دیر کے لئے مجھے دیدیں تاکہ میں فلاں چیز اٹھالاؤں۔ حضرت والد صاحب چونکہ کچھ لکھنے میں مشغول تھے، اس کو چھوڑنا گراں ہو رہا تھا، والد صاحب نے فرمایا کہ یہ تو چھوٹی سی چیز ہے، بغیر لالٹین کے اٹھالائیں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہ چیز تو سامنے ہی رکھی ہے لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر میں نے اندھیرے میں وہاں پاؤں رکھ دیا تو کہیں مجھے کوئی بچھو نہ کاٹ لے، اس وقت حضرت والد صاحب کے منہ سے یہ بات نکلی کہ ”ارے میاں! اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا تو کیا ہوگا، میرے پاس آجانا، فوراً دم کر دوں گا، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا، مطلب یہ تھا کہ ویسے تو بچھو کے کاٹنے کا صرف احتمال ہی ہے، لیکن

اگر کاٹ بھی لیا تو مجھے دم کرنا تو آتا ہی ہے، دم کردوں گا۔

سارا عمل بیکار ہو گیا

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ والدہ صاحبہ جیسے ہی کوٹھری میں داخل ہوئیں اور اندر پاؤں رکھا، بچھو نے کاٹ لیا، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں اٹھ کر فوراً ان کے پاس گیا اور جلدی سے وہی بچھو کے کاٹے کا عمل شروع کیا، اب میں وہ عمل کرتا ہوں لیکن وہ عمل اثر ہی نہیں کرتا۔ جس عمل سے سینکڑوں بچھوؤں کے کاٹے کا علاج کیا، وہی عمل آج کر رہا ہوں لیکن ذرہ برابر اثر نہیں ہو رہا ہے، اس عمل کی جتنی طاقت تھی وہ ساری صرف کر دی، مگر درد کی لہریں ختم ہی نہیں ہو رہی تھیں، بالآخر دوسروں سے علاج کرانے پر مجبور ہوئے، اپنا علاج سارا بیکار ہو گیا۔

کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کارگر نہیں

یہ واقعہ سنا کر فرماتے تھے کہ دیکھو! میں نے اس عمل کے بھروسے پر بچھو کے کاٹنے سے احتیاط نہ کی اور یہ خیال کیا کہ اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا تو کیا ہے، عمل ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک سبق تو یہ دیا کہ یہ جتنے علاج ہیں، چاہے وہ علاج دواؤں سے ہوں یا وہ علاج عملیات سے ہوں، کوئی علاج اس وقت تک کارگر نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، ایک ہی دوا ایک مریض کو فائدہ کر رہی ہے اور ایک مریض کو نقصان کر رہی ہے

جبکہ دونوں کی بیماری ایک ہے۔

دوا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہے

ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک معالج تھے "ڈاکٹر ہاشمی صاحب" اسی (۸۰) سال ان کی عمر تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ساری زندگی کی ڈاکٹری کا تجربہ یہ ہے کہ جب دوا مریض کے پیٹ میں جاتی ہے تو اندر جا کر اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہے کہ یا اللہ! کیا کروں؟ فائدہ کروں یا الٹی پڑ جاؤں؟ جب وہاں سے کوئی جواب ملتا ہے تو عمل کرتی ہے۔ بہر حال! حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک سبق تو یہ دیا کہ تم یہ جو اپنے عمل پر بھروسہ کئے بیٹھے ہو، یاد رکھو! اس عمل میں کچھ نہیں رکھا، کوئی وظیفہ، کوئی تعویذ، کوئی گنڈا اس وقت تک کارگر نہیں ہوتا جب تک ہمارا حکم نہ ہو، اس وظیفہ پر اور اس تعویذ پر بھروسہ کر لینا اور یہ کہنا کہ بیماری آجائے تو کیا، ہمارے پاس علاج موجود ہے، یہ بات غلط ہے۔ ایک تو اس واقعہ نے یہ سبق دیا۔

دوا کے بھروسہ پر بیماری کو دعوت مت دو

دوسرا سبق یہ دیا کہ انسان کے پاس کتنا ہی بہتر سے بہتر علاج موجود ہو، لیکن اس علاج کی موجودگی کی وجہ سے بیماری کو مت بلاؤ بلکہ بیماری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور یہ دعا کرو کہ اے اللہ! ہم بیماری کے متحمل نہیں ہیں۔ بہر حال! حضرت والد صاحب اسی مضمون کو بیان کرنے کے لئے یہ واقعہ سنایا

کرتے تھے کہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرلینا، یہ ایسا ہے جیسے عمل کے بھروسہ پر بچھو سے کٹوا لینا، چونکہ دوا اور عمل موجود ہے، لہٰذا بچھو سے کٹوالوں، ارے! کیا پتہ کہ بچھو کے کاٹنے کے بعد دوا استعمال کرنے کا موقع بھی ملے گا یا نہیں؟ اور اگر دوا استعمال کرنے کا موقع مل بھی گیا تو وہ دوا کارآمد بھی ہوگی یا نہیں؟

توبہ کی مہلت ملے گی یا نہیں؟

لہٰذا جس وقت تم توبہ کے بھروسہ پر گناہ کا ارتکاب کرنے کا ارادہ کر رہے ہو، کیا پتہ کہ گناہ کے بعد توبہ کی مہلت بھی ملے یا نہ ملے؟ کیا اس بات کی گارنٹی ہے کہ گناہ کے بعد توبہ کی مہلت ضرور مل جائے گی؟ اور اگر بالفرض توبہ کی مہلت مل بھی گئی تو توبہ کی توفیق ملے گی یا نہیں؟ کیونکہ گناہ کے اندر نحوست ہوتی ہے، وہ نحوست یہی ہے کہ گناہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت پیدا کرتا ہے، انسان کو غافل بنا دیتا ہے، تم نے تو یہ سوچ کر گناہ کرلیا کہ بعد میں توبہ کرلوں گا، لیکن گناہ نے اپنی نحوست دکھائی اور تمہارے دل میں غفلت پیدا کردی اور گناہ کی لذت میں ایسے محو ہوئے کہ توبہ کرنے کا خیال ہی نہ آیا اور توبہ کرنے کی توفیق ہی نہ ہوئی۔

گناہ کے نتیجے میں ذوق خراب ہو جاتا ہے

پھر گناہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے اور انسان کی عقل خراب کر دیتا ہے، گناہ کی وجہ سے انسان کی مت الٹی ہو جاتی

ہے، اچھا عمل بُرا لگنے لگتا ہے اور بُرا عمل اچھا لگنے لگتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کا ذائقہ خراب ہو جائے تو اس کے نتیجے میں اچھی خاصی میٹھی چیز اسکو کڑوی لگنے لگتی ہے، اسی طرح گناہ کے نتیجے میں انسان کا ذوق خراب ہو جاتا ہے اور اس کی عقل ماری جاتی ہے، کڑوی چیز کو میٹھی اور میٹھی چیز کو کڑوی سمجھنے لگتا ہے، ایسی حالت میں پھر توبہ کی توفیق کیسے ہوگی؟ پھر انسان دوسرے گناہوں کی طرف اور بڑھ جاتا ہے۔

گناہ کا حجاب ختم ہو جاتا ہے

اور جب تک انسان گناہ نہیں کرتا تو اس کی طبیعت میں اس گناہ کو کرنے میں ایک رکاوٹ ہوتی ہے، ایک بند ہوتا ہے، جب تم نے توبہ کے بھروسہ پر اس گناہ کو ایک مرتبہ کرلیا تو وہ بند ٹوٹ گیا اور اب غلط کام کرنے کی جرأت پیدا ہوگئی، اب یہ جرأت تم سے اور گناہ کرائے گی۔ اس لئے کبھی بھی توبہ کے بھروسہ پر گناہ ہرگز مت کرو بلکہ ہر قیمت پر گناہ سے بچو۔

موت سے پہلے توبہ کا دروازہ کھلا ہے

البتہ اگر گناہ سے بچنے کی کوشش کے باوجود کسی وقت پھسل گئے اور غلطی ہوگئی اور گناہ میں مبتلا ہوگئے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے اور مرتے دم تک کھلا رہے گا، جب چاہو آجاؤ اور توبہ کرلو۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا کہ:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

(سورۃ النساء: آیت ۱۸)

یعنی توبہ اس شخص کی نہیں ہے جو ساری عمر اس بھروسہ پر گناہ کرتا رہا کہ جب مرنے لگوں گا تو توبہ کرلوں گا، پھر جب موت کا وقت آیا تو کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں، ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ایسی توبہ تو فرعون نے بھی کرلی تھی جب دریا میں ڈوبنے لگا تو کہنے لگا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۔

(سورۃ یونس: آیات ۹۰،۹۱)

یعنی میں اس ذات پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوتا ہوں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب ایمان لاتا ہے جبکہ وقت گزر چکا۔

ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں بلکہ توبہ اس شخص کی قبول ہوتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ (سورۃ النسآء: آیت ۱۷)

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو نادانی میں برا کام کر گزرتے ہیں اور پھر وہ جلدی ہی لوٹ آتے ہیں۔ یعنی جن سے جہالت اور نادانی میں گناہ ہوگیا تو پھر فوراً جلد از جلد لوٹ آئیں، دیر نہ کریں، یہ نہ سوچیں کہ توبہ کرلیں گے، ابھی تو بہت وقت پڑا ہے، توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور مرتے دم تک کھلا ہوا ہے، یہ مت سوچو، اس لئے کہ کیا پتہ کہ آخری وقت کب آجائے۔

توبہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ توبہ کرلو

لہٰذا جو لوگ توبہ کرتے ہیں لیکن اس پریشانی میں رہتے ہیں کہ ہماری توبہ بار بار ٹوٹ جاتی ہے، ایسے لوگ گھبرائیں نہیں بلکہ دوبارہ لوٹ آئیں اور دوبارہ توبہ کرلیں، لیکن انکا یہ عمل گناہوں پر جرأت پیدا نہ کرے، اس لئے کہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرلینا ایسا ہے جیسے تریاق کے بھروسہ پر زہر پی لیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچے دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر ۱

اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر۲

اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر ۳

اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر ۴

اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر ا

اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر۲

اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر ۳

اجمالی فہرست مجالس جلد نمبر۴